جلد دوئم

فہرست عنوانات

-1	گذارش احوال	207
-2	ذات حق	237
-3	عشق حق	239
-4	لا نفرق بین احد من رسلہ کی تفسیر	241
-5	حرف عقیدت	243
-6	حدیث نبویؐ	244
-7	دنیائے بے ثبات	251
-8	تفسیر آیت وھو معکم......	253
-9	عشق ضدین	254
-10	راضی بہ رضا	256
-11	عشق الٰہی	257
-12	رحمت حق	258
-13	نفس	259
-14	عطائے ربی	260
-15	یار حقیقی	265
-16	حرف راز	269
-17	اے خدائے ذوالجلال	272
-18	اے خدا	274
-19	رسوا نہ کر	278

-20	رسولِ خدا کا حضرت علیؑ کو وصیت کرنا	279
-21	تفسیر حدیث من کان للہ......	284
-22	حدیث مبارک لیس للماضین	286
-23	اک بیمار کو نصیحت نبویؐ	292
-24	صلح حدیبیہ۔فتح مبیں	296
-25	طالب و مطلوب	298
-26	نکوکار	302
-27	ظلم	305
-28	قول حکیم سنائی	307
-29	جود و سخا	309
-30	مردِ مومن	311
-31	نماز	312
-32	اُدب و بے اُدبی	313
-33	جب ہوئے بیمار	315
-34	بندۂ ناچیز	317
-35	مردِ حق سے نسبت	318
-36	نیت و ارادہ	319
-37	نیک و بد کی پہچان	321
-38	نیک و بد	322
-39	قلب مومن	325
-40	راز	326
-41	جذب ہر عنصر ے جنس خود را......	327

-42	متجذب شدنِ جاں	329
-43	فراق	331
-44	نفی واثبات	333
-45	تدبیرِ کار	335
-46	حکایت واعظ	337
-47	قربِ حق	341
-48	شکرِ نعمت	343
-49	جانِ عاشق	344
-50	جاذب ومجذوب	347
-51	حرفِ عقیدت	351
-52	حلقۂ دَرَسَن	352
-53	وصلِ یار	358
-54	آئینۂ دل	361
-55	خواہشات	363
-56	معنی نو من بالقدر خیره وشره	364
-57	اے محبِّ ومہرباں	367
-58	طبیب	370
-59	کارِ خیر	371
-60	گفتگوئین مجنوں وخویشاوندانِ اُو	382
-61	داستانِ پیرِ چنگی	387
-62	حضرت عمرؓ کو بارگاہِ حق سے حکم	395
-63	پیرِ چنگی کو حضرت عمرؓ کا پیغامِ حق پہنچانا	396

64-	حضرت عمرؓ کا اُسے مقامِ گریہ سے عالمِ استغراق کو لے جانا	402
65-	تحفۂ دل	406
66-	فنا فی الذات	410
67-	بقا	414
68-	قدرتِ حق	418

گزارش احوال

الحمدللہ "نوائے رومی" کی دوسری جلد مکمل ہوگئی۔اس میں بھی پہلی جلد کی طرح مثنوی کے منتخب حصوں کا منظوم ترجمہ اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی تفسیر درج کی گئی ہے۔چونکہ حاشیہ میں زیادہ گنجائش نہیں ہوتی اس لئے تفسیر کو مختصر رکھا گیا ہے۔

مثنوی مولانا روم علم وعرفان کا بحرِ ذخار ہے۔اس کی تہہ میں حکمت و دانش کے بے شمار گوہر نایاب موجود ہیں۔جنہیں صرف وہی کمال وخوبی کے ساتھ چن سکتا ہے جسے بصیرت قلب ونظر حاصل ہو،تاہم میخانہ رومی میں ایسے تشنگان شراب معرفت کو حاضری کی سعادت بھی میسر آئی ہے جو صرف چند گھونٹ پی کر اس درجہ مست وبیخود ہوئے ہیں کہ پھر ہمیشہ کیلئے ساقی رومی کا حلقہ در بن کر رہ گئے ہیں:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آستانہ عالیہ گولڑہ شریف سے وابستگی، قطب دوراں قبلہ سید پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت وعقیدت ،مجدد عصر ولی کامل حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی عرف بابو جی سے بیعت کی سعادت اور واجب الاحترام پیر سید غلام معین الدین گیلانی مرحوم اور مسند نشین درگاہ گولڑہ شریف پیر سید شاہ عبدالحق صاحب گیلانی کے فیض صحبت کی بدولت مثنوی مولانا روم سے عشق ومحبت کا رشتہ استوار سے استوار تر ہوتا گیا اور اس مخزن معرفت سے رشد وہدایت حاصل کرنے کی خواہش قوی تر ہوتی گئی۔

مثنوی مولانا روم تقریباً 26 ہزار اشعار پر مشتمل ہے، یہ فارسی ادب کا ایک عظیم اور نادر روزگار شاہکار ہے جسے عالمگیر مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور انشاءاللہ رہے گی اس لئے کہ مثنوی کے مطالبہ سے روحانی تسکین ملتی ہے۔ذہنی پریشانیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے اور اپنے خالق ومالک سے دلی لگاؤ بڑھتا ہے، اسی لئے مغربی ممالک میں بھی مثنوی کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔کئی محققین نے

بڑی جامع تفسیریں لکھی ہیں اور داخلی سکون کے متلاشی انسان اس کے مطالعہ سے نہ صرف اپنے ذہنی انتشار اور بے سکونی کو دور کرتے ہیں بلکہ راہِ حق پر چلنے کے لئے رہنمائی بھی حاصل کرتے ہیں۔

مثنوی مولانا روم صوفیانہ فکر کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اس میں اخلاق وعرفاں اور فقہ وکلام کے لاتعداد مسائل زیر بحث آئے ہیں۔ خدا اور حیات وکائنات کے متعلق حکیمانہ نکات کی وضاحت موجود ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور احادیث نبوی کی بڑے ہی اثر انگیز انداز میں تفسیر وتشریح کی گئی ہے۔ روحانی زندگی کا ایک اعلیٰ وارفع تصور پیش کیا گیا ہے اور ان سے ایسے حکیمانہ نتائج اخذ کئے گئے ہیں کہ عام فہم انسان کے دل ودماغ پر بھی اس کے اثرات نقش ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی جلد کے دیباچہ میں عرض کیا گیا اس جلد میں بھی ترجمہ کرتے ہوئے اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ حتی المقدور شعر کی معنویت بھی برقرار رہے اور شعریت بھی تا کہ قارئین کرام دونوں خوبیوں سے مستفیض ہو سکیں۔

مولانا رومی ان صوفیائے کرام میں سے تھے جو نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے تاہم اس ضمن میں صوفیائے عظام کی روایات کے منافی زندگی میں جبر کی بجائے اختیار کے رویے کی حمایت کرتے تھے۔ مناسب ہوگا کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں مفسرین ومحققین کی آراء کا مطالعہ کریں اور ساتھ ہی جبر واختیار کے متعلق اہل علم کے آراء سے رہنمائی حاصل کریں اور ان اہم موضوعات پر مولانا رومی کے اشعار کے حوالے سے ان کے نقطۂ نظر سے آگاہ ہوں۔

''اہل ظاہر کے نزدیک لاالہ الااللہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ پرستش اور عبادت صرف اُسی کی کرنی چاہیے۔ اس کی ذات کے علاوہ کسی اور کی پرستش شرک ہے لیکن صوفیائے کرام کے نزدیک لاالہ الااللہ کے معنی لاموجود الااللہ یعنی عالم وجود میں صرف ذات واحد موجود ہے کسی دوسری چیز کو حقیقی وجود سے متصف کرنا شرک اور کفر ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہو جاتی ہے کہ ممکنات اور وجود کائنات کی وجود مطلق وجود باری سے کیا نسبت ہے۔ جو صوفیاء وحدت الوجود کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ وجود مطلق ایک ہی ہے جو وجوب، امکان، قدیم، حادث، مجرد، مومن، کافر، طاہر، نجس مختلف مظاہر میں ظاہر ہے لیکن ہر مظہر کا حکم جداگانہ ہے۔ مظاہر میں فرق کرنا لازمی ہے اور ہر مظہر پر جداگانہ حکم لگانا ضروری ہے۔ طاہر پر طہارت کا حکم ہے تو نجس پر نجاست کا، کافر کے کچھ احکام ہیں تو

مومن کے کچھ دوسرے احکام ہیں"

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

(وجود کے ہر مرتبہ کا ایک حکم ہے، اگر تو مراتب کا فرق نہیں کرتا تو زندیق ہے)

فلسفہ وحدت الوجود کی تشریح کرتے ہوئے مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں کہ تمام موجودات عین ذات حق ہیں۔ ممکنات کے تعینات اور تشخصات محض ایک پردہ ہیں اگر پردہ اٹھ جائے تو سوائے ذات حق کے کوئی موجود نہیں ہے۔ اور یہ عالم امکاں نیست و نابود ہو جائے۔

اسی نکتہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ بیان فرماتے ہیں کہ "صوفیا کے نزدیک موجود سے مراد مصدری معنی نہیں ہیں کیونکہ وہ خارج میں موجود نہیں ہیں۔ معقولات ثانیہ میں سے ہیں جس کا وجود صرف ذہن میں ہوتا ہے بلکہ وجود سے ان کی مراد ما بہ الموجودیت ہے حضرت حق اپنے وجود اور ممکنات کے وجود میں غیر کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی ذات ہی خود اسکے وجود کی مقتضی ہے۔ اسی طرح ممکنات کے وجود کی بھی اسکی ذات مقتضی ہے۔ ممکنات کا ما بہ الموجودیت کیا ہے؟ ان کے وجود سے ارادہ الٰہی کا تعلق ہے اور یہ ارادہ اللہ کی صفت ذاتی ہے۔ جس کا مقتضی صرف اس کی ذات ہے، لہٰذا ممکنات کا ما بہ الموجودیت ذات حق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اب حضرت حق کو ممکنات کا وجود بمعنی ما بہ الموجودیت کہنا بالکل حق اور درست ہے۔"

عالم اسلام کے ایک اور بلند مرتبہ عالم دین اور مفسر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "فتاویٰ عزیزی" میں وحدت الوجود کے موضوع پر اظہار خیال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "پہلے وحدت الوجود کے معنی کو سمجھو لو پھر حقیقت حال سمجھنا۔ وحدت الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وجود حقیقی (بمعنی ما بہ الموجودیت نہ کہ بمعنی مصدری) ایک چیز ہے جو واجب میں واجب، ممکن میں ممکن، جوہر میں جوہر اور عرض میں عرض ہے۔ اس کے یہ اختلافات ذات کے اختلافات نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ حق ہے اور کسی طرح بھی شرع کے مخالف نہیں ہے اس لئے کہ اس وجود حقیقی میں سے ہر مرتبہ کا ایک

جدا گانہ حکم ہے اور شرع شریف ہر مرتبہ کا حکم بیان کرتی ہے ۔بعض کو ہادی بعض کو گمراہ کنندہ بعض کو واجب الاطاعت بعض واجب العصیان بعض کو حلال بعض کو حرام بعض کو پاک اور بعض کو ناپاک قرار دیتی ہے ۔کوتاہ بین سمجھتا ہے کہ یہ ذات کے اختلاف کی وجہ سے ہے حالانکہ ویسا قطعاً نہیں بلکہ مصون اور اختیارات کا اختلاف ہے قرآن حکیم کی چند آیات سے اس مسئلہ کی صحت کے اشارات ملتے ہیں ۔

''سنریهم ایتنا فی الافاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق او لم یکف بربک انه علی کل شی شهید ، الا انهم فی مریة من لقاء ربهم الا انه بکل شی محیط''

عنقریب ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیاں اطراف عالم میں دکھائیں گے ۔ان کے اپنے درمیان میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے کیا یہ چیز کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد ہے ۔یاد رکھو یہ لوگ تو اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہونے سے شک میں ہیں ۔سنو خدا ہر چیز پر حاوی ہے ۔نیز یہ آیت **هو الا ول والاخر والظاهر والباطن.** وہی شروع سے ہے وہی آخر تک رہے گا وہی ظاہر ہے اور وہی پوشیدہ ۔صوفیاء کا ایک گروہ وحدت الوجود کے قائلوں کی باتوں کو سُکر اور استغراق کی حالت پر محمول کرتا ہے اور وحدت الوجود سے انکاری ہے ۔وہ کہتا ہے کہ بسا اوقات سالک کو واحد والوجود کا احساس ہوتا ہے لیکن وہ نفس الامری نہیں ہے ۔جیسا کہ سورج کی روشنی میں تمام ستارے چھپ جاتے ہیں ۔دیکھنے والا صرف سورج کو دیکھتا ہے حالانکہ وہ نفس الامر میں موجود اور منور ہوتے ہیں تو یہ لوگ جس کو وحدت الوجود کہتے ہیں وہ وحدت الشہود ہے ۔ان دونوں نظریوں میں فرق یہ ہے کہ وحدت الوجود کے قائل تو وجود کی حقیقی تقسیم وجود واجب اور وجود ممکن کے قائل نہیں ہیں اور وحدت الشہود کے قائل وجود ممکنات کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ واجب الوجود کے مشاہدہ کے وقت ممکنات کے وجودات مخفی ہو جاتے ہیں جبکہ وحدت الوجود کے مدعی وجود حقیقی اور ممکنات کی تشبیہ دریا اور اس کی موجوں اور بلبلوں یا رسی اور اس کی گرہوں سے دیتے ہیں ۔جبکہ وحدت الشہود کے قائل وجود حقیقی اور ممکنات مع وجود کی تشبیہ اصل اور اس کے سایہ سے دیتے ہیں ۔

مجدد دوراں پیر حضرت سید مہر علی شاہ گولڑہ شریف اس موضوع پر ایک مفصل و مدلل

بیان کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں ''پس معنی وحدت الوجود کا یہ ہوا کہ وحدت بمعنی یگانگی ہے اور وجود بمعنی مصدری نہیں بلکہ ما بہ الموجود اور وہ عبارت ہے ذات حق سبحانہ وتعالیٰ سے یعنی عالم یگانگی حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور بس کہ بطریق تنزل ظہور فرمایا۔ (مسافر چند روزہ صفحہ 421)

اگر غور کیا جائے تو وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں فلسفے ذات باری اور مخلوقات و ممکنات کے تعلق کو ہی بیان کرتے ہیں اور ان دونوں نظریات کو توحید عینی اور توحید ظلی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ''تذکرہ غوثیہ'' میں ان دونوں نظریات کے بنیادی فلسفہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وجود یعنی حقیقی ہستی واحد ہے لیکن ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن، باطن وجود ایک نور ہے جو تمام عالم کے لئے بمنزلہ جان ہے۔ اس نور باطن کا پرتو وجود ظاہر ہے۔ جو ممکنات کی صورت میں رونما ہے۔ ہر اسم وصف، فعل جو عالم ظاہر میں ہے ان سب کی اصل وہی وصف باطن ہے اور اس کثرت کی حقیقت وہی وحدت صرف ہے جیسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کائنات کے جملہ افراد تجلیات حق ہیں۔ سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا. اور اس اعتباری کثرت کا وجود اسی حقیقی وحدت سے ہے۔ الحق محسوس والخلق معقول. یہ وحدت الوجود کے فلسفہ کا خلاصہ ہے اور وحدت الشہود کی تفصیل یوں ہے کہ کائنات کا وجود اور مختلف صفات اور آثار کا ظہور واحد مطلق کی ذات وصفات کا عکس ہے۔ جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے اور یہ ظل وعکس واحد مطلق کا عین نہیں ہے بلکہ محض ایک مثال ہے۔

المختصر وحدت الوجود کے داعی کا کہنا ہے کہ ''ہمہ اوست'' یعنی سب کچھ وہی ہے جبکہ وحدت الشہود کے قائل افراد کا عقیدہ ہے کہ ''ہمہ از اوست'' یعنی سب کچھ اسی سے ہے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی میں جابجا وحدت الوجود کے موضوع پر نہایت دلنشیں اور عام فہم انداز میں اشعار لکھے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

می شناسد ہر کہ او را منظرست
کایں فغانِ ایں سرے ہم زاں سرست

صاحب نظر جانتا ہے کہ آواز، اس جانب سے آ رہی ہے یا اس جانب سے

ایک جگہ فرماتے ہیں:

جملہ معشوقست و عاشق پردۂ

سب کچھ معشوق ہے، عاشق ایک پردہ ہے۔

جبکہ بعض اوقات تو بڑے واضح الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ہر طرف صرف ذات واحد ہی موجود ہے اور تعدد یا کثرت محض ایک اعتباری چیز ہے۔

گر ہزاراں اند یک کس پیش نیست

جز خیالاتِ عدد اندیش ہست

گر ہزاروں بھی ہوں ایک کے سوا کچھ نہیں، کثرت اور تعدد محض خیالی ہے۔

بحر وحدنیست جفت و زوج نیست

گوہرو ما ہیتش جز موج نیست

صرف وحدانیت کا سمندر ہے۔ جفت اور جوڑا نہیں اس کی حقیقت اور ماہیت موجوں سے جدا نہیں۔

نیست اندر بحر شرک پیچ پیچ

لیک با احول، چہ گویم ہیچ ہیچ

سمندر میں کسی چیز کی شرکت نہیں ہے، لیکن بھینگے سے میں کیا کہوں، جسے ایک بھی دو دو نظر آتے ہیں۔

سر وحدت را نداند ہر کسے

گرچہ بینی در جہاں عاقل بسے

ہر کوئی وحدت کا راز نہیں جانتا اگر چہ دنیا میں بیشمار عاقل ہیں۔

یہ اشعار اور ان جیسے دوسرے بیشمار اشعار کو پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ مولانا رومی وحدت والوجود کے قائل تھے لیکن جیسا کہ مختلف مفسرین نے تحریر کیا ہے وحدت الوجود کے داعی جبر و

اختیار کی بحثوں میں جبر کو صحیح سمجھتے ہیں اور جبریہ فرقہ کی فکری حمایت کرتے ہیں لیکن مولانا رومی جبر کے مقابلے میں اختیار کو ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

سعی شکرِ نعمت قدرت بُود
جبر تو انکار آں نعمت بُود

کوشش قدرت کی نعمت کا شکر ہے اور جبر اس نعمت کا کفر ہے۔

جبرِ تو خفتن بُود در رہ مخسپ
تا نہ بینی آں درو در گہ مخسپ

تیرا جبر سو جاتا ہے، راستے میں نہ سو، جب تک اس در اور یار کو دیکھ نہ لے نہ سو۔

باور کیا جاتا ہے کہ وحدت الوجود کے قائل صوفیائے کرام جبر کے بھی قائل ہیں اور جبر کے ماننے والے بالعموم ترک دنیا اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے ہیں۔لیکن حقیقت اس دعوے کے خلاف ہے اور وحدت الوجود کے قائل صوفیا نے اپنے علم و عمل سے اسلام کی ترویج و تشہیر اور خدمت انسانی کی لازوال مثالیں پیش کی ہیں اور تاریخ عالم پر ان کی مساعی جمیلہ کے زریں نقش تا ابد قائم رہیں گے۔خود مولانا رومیؒ وحدت الوجود کے داعی تھے لیکن جبر کے قائل نہ تھے چنانچہ زندگی میں جدوجہد اور کوشش پیہم کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پائے داری چوں کنی خودرا تو لنگ
دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ

جب تیرے پاؤں ہیں تو پھر لنگڑا کیوں بنتا ہے، جب ہاتھ ہیں تو انہیں کیوں چھپاتے ہو یعنی ان سے کام کیوں نہیں لیتے۔

خواجہ چوں بیلے بدست بندہ داد
بے زباں معلوم شد او را مراد

بالعموم توکل سے یہی مطلب اخذ کیا جاتا ہے کہ انسان جدوجہد ترک کر کے اللہ تعالٰی کی

طرف سے انعام ملنے کا منتظر ہو۔ لیکن مولانا رومؒ اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ فرماتے ہیں۔

گر توکل می کنی برکار کن

کار کن پس تکیہ برجبار کن

اگر توکل کرنا ہے تو کام میں کرو، پہلے کام کرو پھر توکل کرو یعنی نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو

از توکل در سبب کاہل مشو

(محنت کر کے) کمانے والا اللہ کا دوست ہے کا اشارہ سنو! اور توکل کی وجہ سے اسباب کو کام میں لانے میں سستی مت کرو۔

در توکل کسب و جہد اولیٰ ترست

تا حبیبِ حق شوی ایں بہتر ست

توکل کے معاملے (محنت سے رزق) کمانا اور کوشش کرنا بہت فوقیت رکھتا ہے۔ تاکہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جائے یہی (تیرے لئے) بہتر ہے۔

مولانا رومؒ ترک اسباب کے حق میں نہیں تھے بلکہ وہ جہد پیہم کو کار ثواب اور عبادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

سعیِ ابرار و جہادِ مومناں

تابدیں ساعت زِ آغازِ جہاں

نیکوں کی کوششیں اور مومنوں کا جہاد کائنات کی ابتدا سے اس وقت تک۔

حق تعالیٰ جہد شاں را راست کرد

آنچہ دید ند از جفاو گرم و سرد

اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش اور تمام گرم و سرد کو صحیح قرار دیا ان اشعار کی روشنی میں یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ مولانا روم وحدت الوجود کے اس مفہوم کے قائل تھے جو دوسرے صوفیاء نے تسلیم کیا ہے۔

جبر واختیار:

چونکہ اوپر کے بیان میں جبر واختیار کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے مناسب ہو گا کہ مختصر ان نظریات کے بارے میں کچھ وضاحت کی جائے۔

اہل جبر کا عقیدہ ہے کہ انسان تقدیر الٰہی کا پابند ہے۔ اسے اپنے فکر و عمل پر کوئی قدرت حاصل نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ منشائے ایزدی سے ہوتا ہے جبکہ اس کے برعکس اختیاریہ یا قدریہ کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ یہ آزادیِ عمل یا آزادی اختیار انسان کو ذمہ دار بناتی ہے حق تعالیٰ نے اسے نہ صرف یہ آزادی عطا کی ہے بلکہ اس آزادی کو استعمال کرنے کے لئے عقل و فکر کی صلاحیتیں بھی بخشی ہیں۔

ان مباحث کو علمی اور تحقیقی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان سے مسلمانوں میں غور و فکر اور دلائل و براہان کی روش کو فروغ حاصل ہوا۔ نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کے رویے نے بھی نمو پائی۔ تعبیر و توجیہ کے اختلاف کی نئی صورتیں رونما ہوئیں اور تحقیقی عمل اور رجحان نے تقویت پائی۔

مثنوی میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی ؐ کا عکس:

مثنوی میں قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر کے ساتھ ساتھ بیشمار اشعار میں آیات قرآنی کے مفہوم کا حوالہ موجود ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی ؐ کی تشریح کے علاوہ متعدد احادیث کے مطالب پر مبنی اشعار بھی جابجا اس عظیم ادبی تخلیق کی دینی اخلاقی اور معاشرتی افادیت میں اضافہ کا موجب ہے۔

آیات قرآن پاک:

یوں تو مثنوی کے لاتعداد اشعار میں قرآن حکیم میں بیان کردہ واقعات و قصص کے حوالے موجود ہیں جن کی تفصیل کیلئے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے اس لئے یہاں ہم صرف ایسے چند اشعار نقل کریں گے جو آیات قرآنی سے ماخوذ ہیں۔

مولانا رومؒ نے مختلف موضوعات پر بحث کرتے ہوئے قرآن حکیم سے انبیائے کرامؑ کی

حیات طیبہ سے متعلق تاریخی واقعات کے حوالے دیئے ہیں۔نسل انسانی کی تخلیق کا ذکر یوں فرمایا ہے۔

لذتِ ہستی نمودی نیست را
عاشقِ خود کردہ بودی نیست را

(اے خالق مطلق) تو نے نابود کو لذت بود عطا کی اور خود ہی اسے اپنا شیدائی بنایا۔

اس شعر میں مولانا رومؒ قرآن حکیم کی اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم. اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تمام آنے والی اولاد کو بروز میثاق پیدا کر کے ان سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو انہوں نے جواب دیا بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔

حضرت محمد مصطفیؐ کی حیات پاک کے کئی واقعات کا مفصل ذکر کرنے کے علاوہ متعدد اشعار میں بعض اہم تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

تو ز قرآں باز خواں تفسیر بیت
گفت ایزد "مارَمَیتَ اِذ رَمَیتَ"

قرآن حکیم میں اس بیت کی تفسیر دوبارہ پڑھ، حق تعالیٰ نے کہا تو نہیں پھینکتا پھینک کر بھی (سورۃ انفال آیت 2، سپارہ 7)

یہاں تاریخ اسلام کے اہم غزوہ بدر کا حوالہ دیا گیا ہے جب آنحضورؐ نے کفار کے لشکر پر کنکریاں پھینکیں تو ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں اور وہ پریشانی کے عالم میں میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر وہ کنکریاں بظاہر تو نے پھینکیں لیکن درحقیقت تو نے نہیں (میں نے) پھینکیں۔

حضرت ابراہیمؑ کیلئے آتش نمرود کا گلزار بن جانے کا قصہ قرآن حکیم میں 12 پارہ سورۃ ابراہیم میں بیان کیا گیا ہے مولانا رومؒ اس کا حوالہ یوں دیتے ہیں۔

پرورد در آتش ابراہیمؑ را
ایمنی روح سازد بیم را

(اللہ تعالیٰ)حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پناہ دیتا ہے اور خطرات کو امن و آشتی بنا دیتا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون مصر کے خلاف حکم الٰہی اور تائید ایزدی سے جو معجزے دکھائے ان کا مفصل احوال قرآن پاک میں سورۃ قصص (پارہ 2) میں بیان کیا گیا ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں نیزہ فرعون را
در شکست آں موسیٰ با یک عصا

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا سے فرعون کے سینکڑوں نیزوں کو سرنگوں کیا یعنی اس کے جادوگروں کی شعبدہ بازی کو شکست دی)اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحا نفسی کا ذکر یوں ہوتا ہے۔

صد ہزاراں طب جالینوس بود
پیش عیسیٰ و دمش افسوس بود

جالینوس حکم کی طب کے سینکڑوں دار و اور درمان عیسیٰ علیہ السلام کے ایک نفس یعنی دم مسیحائی کے مقابلے میں بیکار تھے۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کر رکھا تھا کہ ان کی ایک پھونک سے مریض صحت یاب ہو جاتا تھا۔
اُمی لقب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دانش وحکمت اور فصاحت و بلاغت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دفتر اشعار بُود
پیشِ حرف اُمیّے اش عار بُود

اس وقت اشعار کے سینکڑوں دیوان موجود تھے لیکن وہ سب اللہ تعالیٰ کے اُمی لقب پیغمبر کے ایک حرف حکمت کے سامنے شرمندہ اور بیکار تھے۔
حضرت نوح علیہ السلام کی قوم جو بالآخر اپنی نافرمانیوں اور گمراہیوں کے باعث تباہ کن طوفان میں غرق ہوئی اس کی بے حسی اور پیغام حق سننے سے گریز کا ذکر قرآن حکیم میں سورۃ نوح

میں یوں آیا ہے ’’ واستغشو اثیابھم‘‘ یعنی انہوں نے اپنے کپڑے اپنے اوپر اوڑھ لئے حضرت نوح کی قوم نے ان کی باتیں اور نصیحتیں نہ سننے کی غرض سے اپنے سر چہرے اور کانوں کو کپڑوں سے ڈھانپ لیا، اسی واقعہ کی مثال دیتے ہوئے عصر حاضر کے لوگوں کو مولانا یوں جھنجھوڑتے ہیں۔

رُو و سر در جامہ ہا پیچیدہ اید

لا جرم با دیدہ و نادیدہ اید

تم لوگوں نے اپنے سر اور چہرے (نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح) کپڑوں سے لپیٹ رکھے ہیں اور دیکھے ہوئے کو ان دیکھا بنا دیا ہے۔

الغرض مولانا روم نے مثنوی میں انبیائے کرام کے حالات و واقعات کے بکثرت حوالے دیئے ہیں جو قرآن حکیم کی متعلقہ آیات پر مبنی ہیں۔ان واقعات کی باز خوانی کا بنیادی مقصد اصلاح احوال کیلئے رہنمائی فراہم کرنا ہے۔اسی طرح مثنوی میں دوسرے کئی موضوعات پر بھی کلام ربّی سے نہایت برمحل استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ کائنات اور اس کی تمام موجودات پروردگار عالم کے دستِ کمال کا اعجاز اور ممنون احسان ہیں۔حق تعالٰی سورۃ الانعام میں فرماتے ہیں’’ ھوالذی خلقکم من طین ثم قضا اجلا (وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد ٹھہرا دی) مولانا فرماتے ہیں۔

بہر ایں فرمود حق عزّ و جَل

سورۃ الانعام در ذکر اجَل

(اسی لئے اللہ تعالٰی نے سورۃ الانعام میں مرنے اور مقرر میعاد کیلئے ٹھہرنے کا ذکر فرمایا ہے)

یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ قادر مطلق جو خالق و مالک دو جہاں ہے اس کا ہر حکم اٹل ہے اور کائنات کی ہر چیز اور ہر کام اُسی کے تابع فرماں ہے قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے بدیع السموات والارض. واذا قضا امرافا نما یقول لہ کن فیکون. (وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کا ارشاد ہوتا ہے ہو جاؤ اور وہ ہو جاتا ہے) اسی آیت کے مفہوم کو مولانا

یوں ادا کرتے ہیں۔

آتش طبعت اگر غمگیں کند
سوزش از امر ملیک دیں کند

اگر تیری طبیعت غم کی آگ سے غمگیں ہے تو یہ تپش اللہ کے حکم سے ہے۔

آتش طبعت اگر شادی دہد
اندروں شادی ملیک دیں نہد

اگر تیری طبیعت کی گرمی سے تجھے خوشی حاصل ہوتی ہے تو سمجھ لو کہ اس میں یہ خوشی مالک الملک نے پیدا کی ہے۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

ہوا، مٹی، پانی اور آگ سب اس کے حکم کے پابند ہیں۔ میرے اور تمہارے لئے مردہ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہیں۔ یعنی فرمان الٰہی سے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

دنیا میں نیک و بد یکجا رہتے ہیں لیکن ان کے لئے جزا و سزا الگ الگ نظام ہے۔ سورۃ رحمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے " مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان " (چلائے دو دریا مل کر چلنے والے، ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے تا کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے) اس آیت کریمہ سے مولانا جو مطلب اخذ کرتے ہیں اسے اہل نار و اہل نور کے حوالے سے یوں بیان فرماتے ہیں۔

اہل نارو خلد را بیں ہمدکان
در میانش برزخ لا یبغیان

اگر چہ اہل دوزخ اور اہل جنت ساتھ ساتھ ہیں لیکن ان کے درمیان برزخ کا پردہ ہے۔

اہل نار و اہل نور آمیختہ
در میانش کوہِ قاف انگیختہ

(دوزخی اور جنتی اگرچہ باہم ہیں لیکن درحقیقت ان کے درمیان (اعمال) کا کوہ قاف کھڑا ہے)

ہمچو در کاں خاک و زر کرد اختلاط
در میانش صد بیابان و رباط

(جس طرح کان میں سونا اور مٹی یکجا ہوتے ہیں لیکن خصوصیت کے اعتبار سے ان کے درمیان بے حد فاصلہ ہوتا ہے)

صالح و طالح بصورت مشتبہ
دیدہ بکشا و کہ گردو منتبہ

(نیک اور بد ظاہری صورت میں مشابہ ہونگے لیکن آنکھ کھول کر دیکھو تا کہ ان کی حقیقت سے آگاہ ہو)

چشم آخر بیں تواند دید راست
چشم اوّل بیں غرور ست و خطاست

(حقیقت بیں آنکھ ہی درست دیکھتی ہے، جبکہ ظاہر بیں آنکھ درست نہیں دیکھتی)

سرورکائنات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چشم حق بیں عطا کر رکھی تھی۔ وہ جدھر دیکھتے ذات پروردگار کا جلوہ دکھائی دیتا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے اینما تولو فثم وجہ اللہ. (اے رسول) تم جدھر کا رخ کرو وہاں اللہ کی ذات موجود ہے) مولانا اس آیت کے معانی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

چوں محمدؐ پاک شد از نار و دود
ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بُود

(چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کی آلودگی سے پاک تھے اس لئے وہ جس طرف رخ کرتے اللہ کا جلوہ دیکھتے)۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے " ادعونی استجب لکم "یعنی مجھے پکارو میں

تمہاری پکار یا دعا قبول کرونگا۔مولانا روم اسی نوعیت کے احکام الٰہی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

گفت اُدعو اللہ بے زاری مباش
تا بجوشد شیر ہائے مہر ہاش

(فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے دعا کرو۔آہ وزاری کے بغیر مت رہو تا کہ اس کی محبت وبخشش کے شیر میں جوش پیدا ہو)

یہ چند مثالیں "مشتے نمونہ از خروارے" کی حیثیت رکھتی ہیں ورنہ مثنوی کے اکثر و بیشتر اشعار آیات قرآنی اور احکام ربانی کے ترجمان ہیں۔جن کے مطالبہ سے زندگی نور ہدایت سے منور ہوتی ہے۔اسی طرح مثنوی ارشادات نبوی سے بھی مزین ہے اور بیشار اشعار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور احادیث نبوی کے مفہوم ومعانی سے مالا مال ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے "استعینوا علی امور کم بالکتمان" مولانا اس حدیث کے مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر ہر آنکو سر نہفت
زود گردد بامرادِ خویش جفت

(پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے راز کو چھپایا وہ جلد بامراد ہوگا)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں اس دنیا کو مرد مومن کیلئے قید خانہ اور کفار کیلئے مقام عشرت قرار دیا ہے۔"الدنیا سجن المومن و جنة الکافر" مولانا فرماتے ہیں۔

ایں جہاں زندان و ما زندانیاں
حفرہ کن زندان و خود را وا رہاں

(یہ جہان قید خانہ ہے اور ہم اس میں قیدی ہیں،اپنے آپ کو اس قید خانہ سے رہائی دلاؤ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظلم وتعدی اور ظالم کو ہمیشہ قابل مذمت ونفرین قرار دیا ہے ارشاد نبویؐ ہے "من حفر حفرة لا خیه وقع فیها" (جو اپنے بھائی کیلئے ظلم اور دھوکے

کا کنواں کھود رہا ہے وہ لامحالہ خود اس میں گرے گا)مثنوی میں مولانا کہتے ہیں ۔

اے کہ تو از ظلم چاہے مے کنی
از برائے خویش دامے مے تنی

(اے ظلم کا کنواں کھودنے والے تو اپنے لئے ہی جال پھیلا رہا ہے)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قانع تھے اور قناعت کو پسند فرماتے تھے ۔ حدیث شریف ہے کہ "القناعة مال ينفد وكنز لا يفنى" قناعت ایسا مال ہے جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا)اور مولانا روم اس ارشاد نبوی کو یوں فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبرؐ قناعت چیست گنج
گنج را تو وا نمی دانی زرنج

قلب مومن کی وسعت کے بارے میں محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "لا یسعنی ارضی ولا سمائی ویسعنی قلب عبدی المومن"
(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں زمین اور آسمانوں میں نہیں سما سکا لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما گیا)اس مضمون کو مولانا روم مثنوی میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

گفت پیغمبرؐ کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا وپست

در زمین و آسمان و عرش نیز
من نگنجم ایں یقیں داں اے عزیز

در دل مومن نگنجم اے عجب

گر مرا جوئی در آں دلہا طلب

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اوپر نیچے کہیں نہیں سما سکتا زمین، آسمان اور عرش پر بھی یقین جانو میں نہیں سما سکتا، لیکن حیرت ہے کہ مردِ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں، اگر مجھے تلاش کرنا ہے تو مومنوں کے دلوں میں ڈھونڈو)

نماز کو مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے کے متعلق ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ''لا صلوۃ الا بالحضور القلب" یعنی حضوری قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ مولانا نے اس فرمودہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

بشنو از اخبارِ آں صدر الصدور
لا صلوٰۃ (تم) اِلّا بالحضور

سن کہ ہے یہ قول شاہ شش جہات
نا مکمل بے حضوری کی صلوٰۃ

نماز ہی کے بارے میں ایک اور حدیث شریف ہے" ارجع فصل انک لم تصل حتی فصل ذالک ثلاث مرات" اور مولانا اس قول ہادی برحق کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

گفت پیغمبرؐ بہ یک صاحب ریا
صل انک لم تصل یا فتیٰ

(پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب ریا سے کہا ہے کہ " ارجع فصل فانک لم تصل" اٹھو نماز دوبارہ پڑھو کیونکہ تم نے حقیقت میں نماز نہیں پڑھی۔

مردِ مومن کے وصف کو مولانا روم نے اس حدیث نبویؐ سے اخذ کیا ہے۔"المومن مراۃ المومن" ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔

چونکہ مومن آئینہ مومن بود

اُو زِ کل آلودگی ایمن بود

(چونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔اس لئے وہ تمام آلودگی سے محفوظ رہتا ہے)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کا حل اور ہر درد کا علاج پیدا کیا ہے۔ایک حدیث شریف میں ارشادِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ " ما انزل الله داء الا انزل له شفاء" اس گفتہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مثنوی میں یوں آیا ہے۔

گفت پیغمبرؐ کہ یزدانِ مجید

از پئے ہر درد درماں آفرید

(پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر درد کیلئے درماں پیدا کیا ہے)

ارشادات نبوی ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی فرماتے ہیں۔اظہار تشکر کے موضوع پر فرمان محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔" من لم یشکر الناس لم یشکر الله" اور مولانا کہتے ہیں۔

ترکِ شکرش ترکِ شکرِ حق بود

حق اُو لاشک بحق ملحق بود

(اس کا یعنی مخلوق خدا کا شکر ادا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ناشکر گزاری کے مترادف ہے۔اس لئے کہ خدا کی مخلوق کا حق بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے حق سے وابستہ ہے)

معرفت الٰہی کے سلسلے میں ایک حدیث پاک ہے "من عرف نفسه فقد عرفه ربه"

(جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے رب کو پہچانا)مولانا روم نے اس ارشاد نبوی کو اس انداز سے بیان کیا ہے۔

بہر ایں پیغمبرؐ آنرا شرح ساخت

کانکہ خود بشناخت یزدان را شناخت

(اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کی کہ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا)۔

سرکار دو عالم رحمت اللعالمین اپنی اُمت کیلئے جس قدر شفقت رکھتے ہیں اس کا اظہار اس حدیث پاک میں ہے ''وانـمـا انـا لکم مثل والد'' اور مولانا رومؒ اس حدیث شریف کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبرؐ شمارا اے مہاں
چوں پدر ہستم شفیق و مہرباں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے رفیقو میں تمہارے لئے والد کی طرح محبت اور شفقت کرنے والا ہوں)

مندرجہ بالا احادیث پاک ان کثیر اور لاتعداد ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف چند ایک ہیں جن سے مولانا رومؒ نے مثنوی میں عوام کو رہنمائی فراہم کرنے کیلئے استفادہ کیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مثنوی تعلیمات اسلامی کا وہ نادر روزگار مجموعہ ہے جس کے مطالبہ سے ہر ذی نفس اپنی زندگی کو متوازن اور دستور خداوندی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی فکر وفہم اور علم وحکمت کی اس لاثانی تصنیف سے ہمیں ہر شعبہ حیات کو سنوارنے کیلئے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

مثنوی میں تصوف کی چند اصطلاحات:

مولانا رومؒ بلند پایہ صوفی باصفا تھے۔ مثنوی میں انہوں نے تعلیمات قرآنی اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر صوفیانہ تجربات ومشاہدات کے حوالے سے کی ہے اور اہل تصوف کے انداز فکر وبیان میں ان تشبیہات اور استعارات کا سہارا لیا ہے جو عام پڑھنے والوں کے لئے مانوس اور قابل فہم ہیں اور جن کے ذریعے صوفیائے کرام کے قلبی اور روحانی تجربات اور علمی مطالب ومفاہیم کو عوام تک باآسانی پہنچایا جاسکتا ہے۔

صوفیائے کرام نے اپنے افکار کے اظہار کیلئے جن اصطلاحات کو استعمال کیا ہے ان میں سے بیشتر کا تعلق قرآن حکیم کے الفاظ سے ہے جو اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ صوفیائے کرام کے فکر وعمل کی اساس قرآنی تعلیمات پر ہے اور ان کے نطق وبیاں کا سرچشمہ فرمودات ربانی ہیں۔ وہ اپنے روحانی کمالات کے باعث عوام الناس کے سوچنے سمجھنے کی سطح سے بلند ہوکر قرآن کریم میں رب ذوالجلال کے

ارشادات کے باطنی معانی اور مطالب تلاش کرتے ہیں اور جیسے جیسے وہ روحانی مراتب و مدارج میں ترقی حاصل کرتے ہیں اور بلند سے بلند تر منازل تک پہنچتے ہیں قرآنی آیات اور بیانات کی حکمتیں اور اسرار و رموز ان پر کھلتے جاتے ہیں ۔وہی الفاظ و تراکیب جو کسی عام پڑھنے والے کیلئے کسی خاص مفہوم کی حامل ہوتی ہے اہل نظر اور صاحبان سلوک کیلئے معانی کے ایک جہان نو کے ترجمان ہوتی ہیں ۔

اہل تصوف وارداتِ قلبی، تجربات روحانی اور مشاہدات خصوصی کے اظہار کیلئے جن اصطلاحات کو استعمال کرتے ہیں ان کا ذخیرہ بہت وسیع ہے یہاں ہم صرف ان اصطلاحات میں سے صرف چند ایک کا ذکر کریں گے جو مولانا رومؒ نے مثنوی میں استعمال کی ہیں ۔

طریقت:

تصوف طریقت و شریعت کی اصطلاحیں بکثرت استعمال ہوتی ہیں ۔شریعت سے مراد ظاہری شعائر مذہب کی پابندی اور اوامر و نواہی کی مطابقت ہے جبکہ طریقت اس انداز فکر و عمل سے مرتب ہے جو ان شعائر اور اوامر و نواہی کی حکمتوں سے بہرہ مند ہونے کے باعث وجود پاتا ہے ۔الغرض شریعت دین کا ظاہر ہے اور طریقت اس کی باطنی حقیقت ۔

تزکیہ نفس:

اس کا مطلب ہے کہ اپنے نفس کو پاک کرنا ،صوفی کی منزل مقصود عرفان ذات الٰہی ہوتا ہے ۔اس کو حاصل کرنے کیلئے وہ اپنے جسم و جاں کو دنیاوی آلائشوں سے آزاد کرتا ہے اور ان تمام ترغیبات اور بندشوں سے نجات حاصل کرتا ہے جو اسے یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی یاد سے غافل کرنے کا موجب بن سکتی ہیں ۔ وہ زر پرستی ، جاہ پرستی ، ہوس پرستی ،خود پرستی ،غرضیکہ ہر طرح کی پرستش سے آزاد ہو کر حق پرستی کو اپنی زندگی کا شعار بناتا ہے ۔صفائے باطن کے اس عمل سے انسان اپنے آپ کو اس قابل بنالیتا ہے کہ نور ہدایت سے اکتساب کر سکے ۔"تصوف کی اصطلاح میں اس عمل کو توبہ بھی کہتے ہیں ،تو بہ کا لفظ بڑا جامع ہے ،اس کے تین مفہوم ،اول گناہ کا وقوف ، دوم اس پر ندامت و شرمندگی اور سوم آئندہ کیلئے گناہ سے باز رہنے کا مصمم ارادہ"(مسلم فلسفہ 100)

قرآن حکیم میں تزکیہ نفس کی بار بار تلقین و تاکید کی گئی ہے ۔اس لئے کہ اس عمل کو انسان کی

روحانی اوراخلاقی تربیت کااہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

ذکروفکر:

صوفیائے کرام قرب الٰہی حاصل کرنے کیلئے ذکروفکر کونہایت موثر طریقہ سمجھتے ہیں۔زندگی میں ہرلحظہ پروردگار عالم کاذکراور ہرآن اس کے احسانات وعنایات اورکمالات وایجادات کے بارے میں فکر کرنا اس کی ذات پاک سے بندے کے تعلق کواستوار کرتا ہے۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کویاد کرنے اوراس کوتلاش کرنے والوں کے بارے میں ارشادخداوندی ہے کہ " الـذين يذكرو ن الله قيـامـا وقوداً وعلى جنوبهم'' (وہ لوگ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے اللہ تعالیٰ کویادکرتے ہیں)اللہ تعالیٰ کاقرب حاصل کرنے میں کامیابی کارازاسی میں مضمر ہے کہ انسان کسی وقت بھی اس کے ذکر سے غافل نہ ہواور ذکر کے ساتھ ساتھ اس کی صفات پربھی غورکرے۔اوررب ذوالجلال کے اسمائے حسنہ کا وردکرے۔ان اسمائے حسنہ کوباربارزبان پرلانے سےان صفات کااثر ہماری شخصیت پرپڑتا ہے۔یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے کہ اپنے اندراللہ تعالیٰ کی صفات پیدا کرو۔

صوفیائے کرام کے ہاں ذکر کے مختلف اندازرائج ہیں۔کہیں ذکرجلی کاطریقہ اپنایا گیا ہےتو کہیں ذکرخفی کا،خلوت میں ذکرالٰہی کے علاوہ محافل ذکر کاانعقادبھی کیا جاتا ہے۔الغرض ان تمام اقدامات کاما حاصل پروردگار عالم کویادکرنا اوراس کامتواتر ذکرکرنا ہے جوخالق اوربندے کے درمیان رشتہ کواستوارکرنے کاوسیلہ ہے۔

ذکر کے ساتھ فکربھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔تخلیق آدم اورتخلیق کائنات کے حوالے سے اس ذات وحدہ لاشریک کے بارے میں فکرکرنا جس نے یہ سب کچھ پیدا کیااورہمیں ان نعمتوں سے استفادہ کرنے کی قدرت عطا کی۔اس کے احسانات اوراحکامات پرغوروفکرکرنا۔ان کی حقیقت کوجاننا اس کے کلام پاک کے مندرجات کوسمجھنااوران سے اپنی زندگی کوسنوارنا۔ان عوامل کی جستجوکرنا جن سے ہم قادرمطلق کی صفات کواصل واصول حیات بنا کراس مقام کوحاصل کرسکتے ہیں جہاں''من تو شدم تو من شدی'' کی کیفیت طاری ہوجائے۔

صبروشکر:

قرآن پاک میں صبر کرنے والوں کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

واللہ یحب الصابرین　　　اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ان اللہ مع الصابرین　　　اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کا ستون ہے۔ مرد مومن ہر طرح کے مصائب و آلام اور آزمائش و امتحان کو اللہ تعالیٰ کی منشا و مرضی سمجھ کر اسے صبر و استقامت سے برداشت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کر کے اس کی امداد و اعانت طلب کرتا ہے تا کہ وہ اس صبر آزما مرحلے سے بخوبی گزر سکے اور کسی لمحے بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئے بلکہ بقول سیدنا پیر مہر علی شاہ (گولڑوی)

سینہ مالا مال درد است و بجوید ہر دمے
درد بر دردِ دگر زخمے بجائے مرہمے

(میرا سینہ درد سے مالا مال ہے لیکن پھر بھی ہر لحظہ ہر درد پر نیا درد اور ہر زخم پر مرہم کی بجائے نیا زخم طلب کرتا ہے)

صوفیائے کرام کے نزدیک صبر و استقامت کی یہی کیفیت زہد و تقویٰ میں درجہ کمال کی حیثیت رکھتی ہے۔ صبر کے ساتھ شکر کا اظہار بھی لازمی ہے۔ اس لئے کہ جس نے صبر کی توفیق عطا فرمائی اور آزمائش و امتحان میں بھی اپنی یاد سے غافل نہ ہونے کا حوصلہ اور ہمت بخشی اس کا شکر ادا کرنا عہد بندگی کی توثیق ہے۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

عاشقم بر رنج خویش و درد خویش
بہر خوشنودی شاہِ فردِ خویش

(میں اپنے رنج و غم کا عاشق ہوں اس لئے کہ اس سے میرا شاہ یعنی اللہ تعالیٰ خوش ہے)

صوفیائے کرام کے نزدیک صبر و شکر کی کیفیات بھی انعام خداوندی ہیں مشکلات و مصائب کے دوران صبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور ان آلام کو برداشت کرنے کی ہمت بھی اسی کی عطا کردہ ہوتی ہے اس لئے ایسے حالات میں بھی اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تکالیف کا مقابلہ کرنے کی

توفیق دی۔علاوہ ازیں زندگی میں بھی جو کچھ حاصل ہے وہ سب پروردگار عالم کی عنایت سے ملا ہے اس لئے ان نعمتوں اور بخششوں کا شکرادا کرنا لازمی ہے بلکہ شکرادا کرنے کی مہلت کا بھی شکرادا کرنا چاہیے۔

توکل:

توکل کا مطلب اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور اسی کو مسبب الاسباب سمجھنا ہے۔قرآن حکیم میں توکل کرنے والوں کے بارے میں ارشادخداوندی ہے۔

ان اللہ یحب المتوکلین   اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

وعلی اللہ فلیتوکل المومنون   اورمومن لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں

دنیاوی اسباب پر بھروسہ کرنے اور ان کو کاروبار زندگی میں اپنے اقدامات کے نتائج کا باعث سمجھنا اللہ تعالیٰ کے مسبب الاسباب ہونے کی نفی ہے۔کسی مقصد یا منزل کے حصول کیلئے جدوجہد کرنا استفادہ نہ کرنا کفران نعمت ہے تا ہم ان وسائل اور اسباب کو ہی کامیابی یا حصول مقصد کا وسیلہ یا سبب سمجھنا درست نہیں اس لئے کہ اچھے یا برے نتائج پروردگار عالم کی منشاومرضی کے تابع ہیں۔محنت کرنا انسان کا فرض ہے لیکن اس نیت وارادہ کے ساتھ کہ جس قادر مطلق نے اس کام کیلئے وسائل مہیا کئے اب پھل دینا یا نہ دینا بھی اسی کی مشیت کے تابع ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

گر توکل مے کنی در کار کن
کار کن پس تکیہ بر جبار کن

(اگرتوکل کرنا ہےتو کام میں کرو،کام کرواور پھراللہ پرنتائج کیلئے تکیہ کرو)

گفت آرے ار توکل رہبر ست
ایں سبب ہم سنت پیغمبر ست

(اگرکوئی کام کرنے میں توکل یعنی اللہ پر مکمل بھروسہ تمہارا رہنما ہےتو پھراس سبب کوکام میں لاتے ہوئے نتیجہ کیلئے اللہ پر بھروسہ کرنا سنت نبویؐ ہے)مختصر یہ کہ توکل اللہ تعالیٰ کی توحیداورصرف اسی کا مسبب الاسباب اورحاکم اعلیٰ قادرمطلق اورکارساز حقیقی ہونے کا اعتراف ہےاوراس پر مکمل ایمان کی دلیل ہے۔

عشق:

عشق ایک نہایت لطیف جذبہ ہے ۔ایک ایسی کیفیت جس میں محو ہو کر انسان صرف اسی کا ہو جاتا ہے جس سے عشق ہو۔اس کی اپنی ذات کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ۔اسے اپنے محبوب کیلئے درد و غم میں بھی وہ راحت حاصل ہوتی ہے جو دنیا کی بہترین آسائش سے بھی نہیں ملتی ۔عشق ایک نہایت لطیف جذبہ ہے ۔

عشق صادق کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب کی خوشنودی اور اسکے احکام وفرمان کی پورے خلوص کیساتھ تعمیل کی جائے ۔اس کے سوا کسی غیر کی محبت کو جگہ نہ دی جائے ۔صرف اسی کی ذات کی پرستش کی جائے ۔اسی کو اپنا مالک ومختار سمجھا جائے ۔وہی ہمیشہ مقصد آرزو اور جان تمنا ہو اور خود سپردگی کا یہ عالم ہو کہ نقش میں نقاش دکھائی دے ۔

صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ عشق حقیقی میں ہر کام اور ہر عمل اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوب کر سرانجام دینا چاہیے ۔انسان کی منزل ذات الٰہی ہونی چاہیے ۔اُس سے محبت اور عشق کسی صلے کی تمنا یا کسی خوف کے بغیر صرف اور صرف اس کی رضا کیلئے ہونا چاہیے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ محبت انسان کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے ۔یعنی محبت کا جذبہ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ انسان کو کسی اور شے کا احساس ہی نہیں رہتا ۔لہٰذا جو شخص اس ذات حقیقی کی محبت سے فیضیاب ہو جو جمیل ہے اور ہر شے کا جمال اس کا پرتو ہے پھر اسے کسی دوسری چیز سے جس کا حسن عارضی ہے کیونکر محبت ہو سکتی ہے ۔صوفیائے کرام صرف اسی کی ذات کو لائق محبت وعشق سمجھتے ہیں جو لافانی اور لاثانی ہے اور اس کے بعد اس ہستی کی محبت کو جزو ایمان قرار دیتے ہیں جس کا خدا خود مداح اور شیدا ہے جو فخر موجودات ہے رحمت اللعالمین ہے اور جس کے بارے میں قرآن حکیم میں پروردگار عالم فرماتے ہیں ۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

اور ہم نے بھیجا ہے تمہیں عالموں کے لئے رحمت بنا کر

مولانا روم عشق کو تمام علتوں اور بیماریوں کا مداوا قرار دیتے ہیں ۔مثنوی میں فرماتے ہیں ۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما
(خوش رہو اے میرے خوش خصال عشق ۔تم میری تمام بیماریوں کے طبیب ہو)
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما
(تو ہی میرے غرور وتکبر کی دوا ہے اور تو ہی میرے لئے افلاطون اور جالینوس ہے)
عشق آں زندہ گزیں کو باقی است
وز شراب جانفزائیت ساقی است
(اس زندہ یعنی اللہ تعالی کے عشق کو دل میں جگہ دے جو باقی ہے اور جان بخشنے والی شراب کا ساقی ہے)
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء
یافتند از عشق او کار و کیا
(اس کے عشق کو دل میں جگہ دے جس کے عشق سے تمام انبیائے کرام نے بلند مرتبہ مقام حاصل کیا)

فنا

صوفیا کے نزدیک فنا کا مطلب خودی کی فنائیت اور اس کی محدود حیثیت کو ختم کر دینا ہے ۔تا ہم اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے مدارج سے گزرنا پڑتا ہے جو حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ ذکر وفکر میں اس درجہ محویت کو کسی لمحے ذات مطلق سے غافل نہ ہو اور ہر لحظہ ذات پاک سے تعلق کا شعور استوار رہے اور کوئی عمل یا سوچ اس تعلق کے ادراک اور احساس کے بغیر نہ ہو۔

۲۔ کوئی قول وفعل ذات باری تعالیٰ کی منشاء ومرضی کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ دنیاوی وابستگیوں کو ترک کر کے اس دنیا میں رہتے ہوئے تمام رشتوں ناتوں کے باوجود ان سے دوری اختیار کی جائے اور ان روابط کو ذات مطلق سے تعلق کے استوار ہونے میں رکاوٹ نہ بننے دیا جائے ۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان رشتوں کی حقیقت سے انکار کیا جائے ۔حقوق العباد کو اسلامی طرز حیات میں بنیادی اہمیت حاصل ہے تا ہم ان کی ادائیگی کو اس مالک کل کی یاد سے غفلت کا باعث نہ بننے دیا جائے جس نے ان فرائض کو ادا کرنے کی صلاحیت اور توفیق عطا کی ہے ۔ دست بکار و دل بیار۔

۴۔ اپنے گردوپیش سے بے نیاز ہو کر اپنے باطن کا مشاہدہ یعنی اپنے اندر اس کی تلاش جو ہماری شہ رگ سے زیادہ ہم سے قریب ہے اور اپنے آپ کا احتساب تا کہ کسی لمحے کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جائے یا ایسی بات نہ کہہ دی جائے جو نفی ذات کے اس عمل میں کی تکمیل کیخلاف ہو۔یہ ایک ابدی حقیقت ہے کہ نفی ذات سے ہی اثبات کا مقام ملتا ہے ۔بقا کے لئے فنا ہونا اور محبت کیلئے نیست ہونا لازمی امر ہے ۔نفی ذات ہی ذات الٰہی کے عشق کی انتہائی منزل ہے ۔

صوفیائے کرام اس مقام ومرتبہ کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے فنا فی الشیخ کا مرحلہ طے کیا جائے ۔پھر فنا فی الرسول کا اس لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی سرچشمہ و ہدایت ہیں ان کی پیروی اور ان کے فرمودات پر پوری طرح عمل پیرا ہونا اور سب سے بڑھ کر ان کی محبت کو جزو ایمان سمجھنا ہی قرب الٰہی کا ذریعہ ہو سکتا ہے اور اس ارفع واعلیٰ منزل تک پہنچ کر ہی انسان فنا فی اللہ کے مقام کی جانب بڑھ سکتا ہے جہاں وہ اپنی ذات کو ذات الٰہی میں مدغم کر دیتا ہے اس منزل پر

پہنچ کر جو کیفیت ہوتی ہے اس کے حوالے سے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

چوں ترا باشد کمالِ دینِ حق
خویش را ہرگز نہ بینی جز کہ حق

(جب تجھے دین حق کا کمال حاصل ہوگا تو پھر تم اپنے آپ کو سوائے حق کے کچھ نہیں دیکھو گے)

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد

(خوش نصیب ہے وہ مردہ جو اپنے آپ سے آزاد ہوا اور ہمیشہ زندہ رہنے والے سے پیوستہ ہوگیا)

گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست
لیک از اول بقا اندر فناست

(اگر چہ اللہ تعالٰی سے تیرا وصال بقا اندر بقا ہے لیکن شروع میں بقا فنا کے اندر ہوتی ہے)

اظہارِ تشکر

میں اللہ تعالیٰ کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ اس رب رحمٰن ورحیم نے مجھ جیسے ہیچمند ان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں مولانا جلال الدین رومیؒ جیسے بلند مرتبہ صوفی باصفا کی شہرہ آفاق تخلیق کے منتخب حصوں کے منظوم ترجمے کی جرأت وجسارت کروں تاہم اس عاجزانہ کوشش کے دوران میں نے جب بھی کوئی دقت محسوس کی تو مثنوی کا مطالعہ جاری رکھا اور بفضل خدا وہ مرحلہ بآسانی طے ہو گیا۔

جلد دوئم کی تیاری کے دوران میری شریک حیات فریدہ سیٹھی کا ۲۲ اپریل ۲۰۰۰ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ مرحومہ نے مثنوی کے توجہ طلب کام کو مکمل کرنے میں ہر قدم پر گرانقدر تعاون اور پوری یکسوئی کے ساتھ نہایت پرسکون ماحول میں مجھے ترجمہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے (آمین ثم آمین)

میں اپنے بچوں کے لئے بھی دست بدعا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی طباعت کے مختلف مراحل میں اعانت کی۔ میں سید عبدالجبار شاہ صاحب منیجر سینئر سٹیزن فاؤنڈیشن اسلام آباد کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مطلوبہ حوالہ جات مہیا کرنے میں تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ سے بصد عجز ونیاز استدعا ہے کہ وہ مجھے مثنوی معنوی مولوی کے بقیہ حصوں کا منظوم ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

درویش رومیؒ

ناچیز
محمد یونس سیٹھی وفاؔ

مولائے روم

نور عرفاں نور جاں مولائے رومؒ
میر بزم عاشقاں مولائے رومؒ

شاعر شیریں بیان مولائے رومؒ
جذب و مستی را زباں مولائے رومؒ

صورت مہر محبت روشن است
برزمیں و آسماں مولائے رومؒ

فقر او خوشتر زشانِ خسروی
بے نیازِ ایں و آں مولائے رومؒ

مرد کامل صاحب فکر و نظر
سرِ حق را راز داں مولائے رومؒ

چوں فنا فی الذات شد آزاد شد
از مکان و لا مکاں مولائے رومؒ

از جمال شمس شد مانند شمس
ہر زماں آتش بجاں مولائے رومؒ

نیست ممکن اے وفا توصیف او
تا نہ باشد مہرباں مولائے رومؒ

مثنوی معنوی مولوی

مثنوی قرآن بود در فارسی
راست فرمود است جامیؒ متقی

گر تو خواہی صاحب عرفاں شوی
مثنوی خواں مثنوی خواں مثنوی

مخزن رشد و ہدایت مثنوی
معدنِ افکارِ حکمت مثنوی

حرفِ قرآن و احادیثِ نبیؐ
بے گماں باشد روح مثنوی

مطلعِ انوارِ یزداں مثنوی
مرحبا روشن ‌‌‌‌کُر جاں مثنوی

بندگان عشق را قبلہ نما
گمرہان دین حق را خضرِ راہ

دیدہ و دل را کند تابندہ تر
بختِ تیرہ می شود رخشندہ تر

قلب مضطر را دہد صبر و سکوں
درد و غم ناپید گردد از دروں

واقف اسرارِ حق سازد ترا
نزدِ خلاق جہاں آرد ترا

داد ربِّ دو جہاں است اے وفا
شعر مولانا کجا و من کجا

ذات حق

۱

کیست ماہی چیست دریا در مثل　　ماہی و دریا سے کیونکر دیں مثال
تابداں ماند خدائے عز و جل　　بے مثال ہے وہ خدائے ذوالجلال

۲

صد ہزاروں بحر و ماہی در وجود　　بحر و ماہی سب ہیں سجدے میں گرے
سجدہ آرد پیش آں دریائے جود　　دیکھ اس بحر سخا کے سامنے

۳

چند باران عطا باراں شدہ　　بار ہا برسا جو ابر مہرباں
ابداں آں بحر در افشاں شدہ　　ہو گیا سارا سمندر درفشاں

۴

چند خورشید کرم افروختہ　　جب کئی مہر کرم تاباں ہوئے
تا کہ ابرو بحر جود آموختہ　　بحر و بادل بھی سخاوت پہ تلے

۱ اہل تصوف خداوند تعالیٰ کی ذات کو کبھی آفتاب اور کبھی سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں تاہم بعض حضرات جو اس کوچے سے نا آشنا ہیں اس قسم کی تشبیہات کو خلاف عقائد اسلامیہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی بلکہ خاص امور میں ہوتی ہے چنانچہ اس صورت میں ذات حق کو دریا سے بلحاظ وحدت تشبیہ دی ہے کہ ذات حق کی وحدت حقیقی ہے اور دریا کی وحدت منافی تاہم تمثیل کیلئے صرف مناسبت کافی ہے اور تمثیل کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ و اللہ المثل الاعلیٰ یعنی" اور اللہ کی بہت بڑی مثال ہے" اور مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح" یعنی اس کے نور کی مثال چراغوں کی سی ہے جس میں چراغ ہے مثل کے معنی وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے ساتھ کسی وصف میں مشارک ہو۔
اگرچہ دونوں چیزوں کے درمیان اس وصف کی شدت یا کثرت کے لحاظ سے بہت تفاوت ہو اور مثل کے معنی وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے ساتھ نوع میں شرکت رکھتی ہو جیسے زید عمر کی مثل ہے نوع انسانی کی حیثیت سے پس خدا کی مثال تو ہو سکتی ہے لیکن مثل نہیں۔ ۲ خداوند کریم کیلئے دریا کی تمثیل کیا حقیقت رکھتی ہے وہ خالق اور یہ مخلوق۔ بیشک مخلوق خالق کی محتاج ہے۔ آئندہ اشعار میں اسی تمثیل کی وضاحت کی گئی ہے۔ ۳ جب رب ذوالجلال کی مہربانی ہوئی اور بادل برسے تو دریاؤں سے پانی سمندر تک پہنچا اور سمندر سے بھی بخارات کی صورت میں بادل رواں ہوئے غرضیکہ بادلوں سے بارش ہوئی اور اہل دنیا کی ضرورتیں پوری ہوئیں یعنی سمندر کے بخارات سے بادل بنا اور بادلوں سے بارش کا ہونا یہ سب حق تعالیٰ کے کرم کے نمونے ہیں۔ اس کی عنایت سے ابر اور سمندر انسانی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

۱

پر تو دانش زدہ بر ماء وطیں　　　اسکے پرتو سے ہی آب و خاک سے
تا شدہ دانہ پذیرندہ زمیں　　　بیج پھوٹے اور پھل پیدا ہوئے

۲

خاک امین و ہرچہ در وے کاشتی　　　تو نے جو بویا زمیں سے وہ سدا
بے خیانت جنس آن برداشتی　　　بے خیانت تجھ کو حاصل ہوگیا

ایں امانت زاں عنایت یافتست　　　یہ زمیں کا وصف بھی داد خدا
کافتاب عدل بوے تافتست　　　فیض ہے سب آفتاب عدل کا

تا نشان حق نیارد نوبہار　　　ہو نہ جب تک اذنِ ربی سے بہار
خاک سرہ را نسازو سبزہ زار　　　یہ زمیں تحقی نہیں ہے سبزہ زار

آں جوادے کو جمادے را بداد　　　اس سخی کو بخششوں کے ہیں نشاں
ایں خبرہا ویں امانت ویں سداد　　　یہ جمادات اور ان کی خوبیاں

۴

آں جمادے گشت از فضلش لطیف　　　نرم و نازک اس کی رحمت سے ہوئے
کل شيِ من ظریف ہو ظریف　　　خوب سے جو بھی ملے وہ خوب ہے

۵

پیش ہست اور بباید نیست بود　　　ذاتِ حق کے سامنے ہو بے نشاں
چیست ہستی پیش اور کور و کبود　　　بے حقیقت ہے تری ہستی وہاں

۱ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی زمین سے پھل پھول اور غلہ پیدا ہوتے ہیں۔ ۲ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کبھی خیانت نہیں کرتی اور انسان اس میں جو کچھ بھی بوئے وہی اس ملتا ہے۔اس سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسان جیسے عمل کرتا ہے ویسے ہی نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ان میں کمی کی بیشی نہیں ہوتی۔ ۳ زمین کی یہ صفت بھی داد خدا ہے کہ اس سے وہی چیز پیدا ہوتی ہے جو اس میں بوئی جاتی ہے۔ ۴ ہمیں جو نعمتیں ملتی ہیں وہ اس ذات پاک کی عطا کردہ ہیں جو خود بھی ترین ہے اور اس کی جانب سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے یقیناً خوب اور اچھا ہے۔ ۵ ذات پاک کے حضور اپنی ہستی کا احساس پردہ بن جاتا ہے اور انسان دیدار و مشاہدہ ذات سے بے بہرہ رہتا ہے لہٰذا ذات حق کے سامنے اپنے آپ کو نیست کرنا چاہیے تا کہ مشاہدہ حق نصیب ہو اسکے حضور ہماری ہستی بے حقیقت ہے۔

عشقِ حق

۱

از ہوا ہا کے رہی بے جام ہُو　　عشق حق سے حرص دنیا کو مٹا
اے زہو قانع شدہ بانام ہُو　　نام لینے پر ہی کیوں قانع ہوا

۲

از صفت و زنام چہ زاید خیال　　ذکر حق سے موجزن اس کا خیال
واں خیالش ہست دلالِ وصال　　ہے خیال یار ہی وہ وصال

۳

دیدۂ دلال بے مدلول ہیچ　　حسن ہوتو کایں نہ ہوتو صیف خواں
تا نباشد جادہ نبود غول ہیچ　　رہ نہ ہو تو پھر فریب رہ کہاں

ہیچ نامے بے حقیقت دیدۂ　　کب ہوا ہے بے مسمّی کوئی نام
یا زِ گاف ولام گل گل چیدۂ　　گل نہ ہوتو بے حقیقت گاف ولام

اسم خواندی رو مسمّی را بجو　　نام پڑھ کر نام والے کو بھی ڈھونڈ
مہ بہ بالا واں نہ اندر آب جو　　چاند دریا میں کہاں اوپر ہی ڈھونڈ

گر ز نام و حرف خواہی بگذری　　نام سے آگے گزرنا ہے اگر
پاک کن خود را ز خود ہیں یکسری　　اپنی ہستی کو خودی سے پاک کر

۱ جس دل میں عشق الٰہی ہوا اس میں حرص و ہوس کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مومن کو اللہ کی ذات کا طالب ہونا چاہیے۔ محض دکھاوے کیلئے اللہ کا نام لینے کی بجائے اسے دل سے اپنانا چاہیے۔ ۲ مسلسل ذکرِ حق سے انسان کا خیال وتصورِ یادِ الٰہی سے معمور رہتا ہے اور یہی وصل حق کا وسیلہ بنتا ہے۔ ۳ دلالت کرنے والے کا وجود ہی اس بات کی علامت ہے کہ جس چیز کو وہ دلالت کر رہا ہے وہ موجود ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ چھلاوا راستے سے بھٹکا دیتا ہے لہٰذا اگر چھلاوا ہے تو پھر راستہ بھی ہے۔

[1]

ہمچو آھن بے رنگ شو مثل آھن آھنی پن چھوڑ دے
در ریاضت آئینہ بے زنگ شو پاک آئینہ بنو گے زہد سے

[2]

خویش را صافی کن از اوصاف خود خود کو خودنگری سے پاک و صاف کر
تا بہ بینی ذات پاک و صاف خود خود ہی اپنے وصف آئیں گے نظر

بینی اندر دل علوم انبیاء ہوگا دل علم رسل کا آئینہ
بے کتاب و بے معید و اوستا بے کتاب و بے معید و رہنما

[1] لوہے سے زنگ دور کرنے کے بعد اس پر میقل لگا کر آئینہ بنایا جاتا ہے جس میں عکس نظر آتا ہے اگر لوہا زنگ آلود ہو تو اس میں عکس دکھائی نہیں دیتا۔ دل کے آئینہ کو بھی عبادت سے پاک کرو۔

[2] جب انسان اپنے آپ کو خود بینی سے پاک کرلے تو اس کے حقیقی اوصاف اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس کا دل خود بخود علم رسل سے منور ہونے لگتا ہے۔

قرآن پاک کی آیت لانفرق بین احد من رسلہ

(ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے)

یہ کہ تمام پیغمبر برحق ہیں

کی تفسیر

۱

وہ چراغ ار حاضر آری در مکاں — دس دیئے ہوں اک جگہ روشن اگر
ہر یکے باشد بصورت غیر آں — مختلف آپس میں آئیں گے نظر

فرق نتواں کرد نور ہر یکے — ہاں نظر آئیں گے وہ یکساں سبھی
چوں بنورش روئے آری بیشکے — جب بھی ضو دیکھے گا ان کے نور کی

اطلب المعنی من الفرقان وقل — اس کا مطلب دیکھ قرآں میں عزیز
لا نفرق بین احاد الرسل — "ہم رسولوں میں نہیں کرتے تمیز"

۲

گر تو صد سیب و صد آبی بشمری — ہوں اگر سو سیب یا ہوں سو بہی
صد نماید یک شود چوں بفشری — عرق سو دانوں کا ہوگا ایک ہی

۳

در معانی قسمت و اعداد نیست — حرف ہوں کتنے بھی ہیں معنی تو ایک
در معانی تجزیہ و افراد نیست — جزو ہوں جتنے بھی ہیں معنی تو ایک

۱ قرآن حکیم کی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے مولانا مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر کہیں دس چراغ روشن ہوں تو بظاہر وہ الگ الگ نظر آئیں گے لیکن ان سے پیدا ہونے والی روشنی ایک ہوگی اسے الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی وقتاً فوقتاً مختلف پیغمبر تشریف لائے لیکن ان کا پیغام اور اس پیغام کی روشنی ایک تھی۔ ۲ سو سیب یا بہی الگ الگ گنے جا سکتے ہیں جب ان کا عرق نکالا جائے تو وہ ایک ہوگا اسے الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ مثال بھی گزشتہ اشعار کی مزید وضاحت کیلئے دی گئی ہے۔ ۳ الفاظ میں تعدد ہے لیکن معنی میں وحدت ہے دیئے کتنے بھی ہوں ان سب کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے۔

۱

اتحاد یار با یاراں خوش است　　خوب ہے ملتے ہیں جب یاروں سے یار
پائے معنی گیر صورت سرکش است　　پیروی معنی کی کر ظاہر غبار

۲

صورت سرکش گدازاں کن برنج　　ظاہر خود سر کو تقویٰ سے مٹا
تا بہ بینی زیر آں وحدت چو گنج　　پائے گا وحدت کا گنج بے بہا

۳

ور تو نگذاری نایت ہائے او　　تو نہ کر پائے تو اس کا فیض عام
ہم گذارد اے دلم مولائے او　　ساتھ دے گا دل ہوا جس کا غلام

۴

او نماید ہم بدلہا خویش را　　وہ دلوں میں خود کو جلوہ گر کرے
او بدوزد خرقہ درویش را　　اور درویشوں کی گدڑی بھی سیئے

۱ ظاہری تعداد کو چھوڑ باطنی نور کی وحدت پر توجہ دے۔

۲ ظاہر پرستی کو ریاضت اور زہد سے مٹا تا کہ تجھے وحدت نظر آئے۔

۳ اگر تو ریاضت سے بھی یہ مقام حاصل نہ کر سکے تو اللہ سے امداد طلب کر اس کی مہربانی تجھے کامیاب کرے گی۔

۴ قلب مومن مظہر ذات خداندی ہے وہ اپنے جمال سے درویش یعنی بے بس انسان کے دل کو جوڑ دیتا ہے۔

حرفِ عقیدت

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　تم ملے تو مل گئیں سب منزلیں
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال　　بے کہے حل ہوگئیں سب مشکلیں

ترجمانِ ہرچہ ما را در دل است　　تو کہ ہے اسرار دل کا ترجماں
دستگیر ہر کہ پائیش در گل است　　غم کی دلدل میں ہمارا پاسباں

مرحبا یا مجتبیٰ یا مرتضیٰ　　اے ہمارے مجتبیٰ اے مرتضیٰ
ان تغب جاء القضا ضاق الفضا　　بن ترے وجاؤں گا بے دست وپا

انت مولی القوم من لا یشتھی　　تو ہے آقا جو نہیں تجھ پر فدا
قد ردی کلا لئن لم ینتھی　　ہے گماں ہوتا ہے بالا آخر تباہ

1 مولانا آنحضورؐ سے مخاطب ہوکر عرض کرتے ہیں کہ جو آپ کا ہوگیا اس کی تمام مشکلیں کچھ کہے بغیر حل ہوگئیں اس لئے کہ آپ اپنے غلاموں کے احوال سے بخوبی واقف ہیں۔

حدیث نبویؐ

ان لربکم فی ایام دھر کم نفحات الا فتعرضو

(تمہارے رب کی تمہارے زمانہ میں خوشبوئیں ہیں، آگاہ، ان سے وابستہ ہو جاؤ)

گفت پیمبرؐ کہ نفحہائے حق   حق کی خوشبوئیں پیمبرؐ نے کہا
اندریں ایام می آرد سبق   ہر طرف ہیں ان دنوں راحت افزا

گوش ہش دارید ایں اوقات را   غور کر ہیں ایسے لمحے بے بہا
در ربائید ایں چنیں نفحات را   ایسی خوشبوؤں کو جان جاں بنا

۱

نفحہ آمد شما را دید و رفت   آیا اک خوشبو کو جھونکا اور گیا
ہر کرامی خواست جاں بخشیدہ و رفت   جس کو چاہا جاں عطا کی چل دیا

۲

نفحہ دیگر رسید آگاہ باش   دوسرا جھونکا جو آئے تو کہیں
تا ازیں ہم وا نمانی خواجہ تاش   ہاتھ خالی رہ نہ جانا ہمنشیں

جان آتش یافت زاں آتش کُشے   مذنبیں کو مژدہ بخشش دیا
جان مردہ یافت ازوے جنبشے   مردہ جانوں کو پیام جاں ملا

جان نازی یافت ازوے اِطفا   اس نے بخشی جلنے والوں کو شفا
مردہ پوشیدہ از بقائے او قبا   اس سے بے جانوں نے پائی ہے بقا

۱ آنحضورؐ کے تشریف آوری سے کئی خوش نصیب ایمان و ایقان کی خوشبو سے مستفید ہوئے۔ ۲ آنحضرتؐ کے بعد اولیائے کرام آئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ان سے بھی کسب فیض کرنا چاہیے کیونکہ وہ اسی خوشبو سے فیضیاب ہیں جو حضورؐ نے مرحمت فرمائی۔

۱

تازگی و جنبش طوبیٰ ست ایں	مثل طوبیٰ پاک ہے یہ تازی
ہیچو جنبشہائے خلقان نیست ایں	کون کر سکتا ہے اس کی ہمسری

۲

اشتر آمد ایں وجود خار خوار	اونٹ کی مانند ہے یہ جسم خاک
مصطفیٰ زادے بریں اشتر سوار	جس پہ ہے افراز و غالب جان پاک

۳

اشترا تنگ گلے بر پشت تست	اے شتر تجھ پہ لدا ہے بار گل
کز نسیمش در تو صد گلزار رست	تو بنا ہے رشک صدر انبار گل

۴

میل تو سوئے مغیلاں ست وریگ	کیوں کھچا جائے ہے سوئے خروخس
تا چہ گل چینی ز خارا ے مردہ ریگ	خار سے پھولوں کی امدیں عبث

۵

اے بگشتہ زیں طلب ہر کو بکو	اور کب تک اس طلب میں کوبکو
چند گوئی آں گلستاں کو و کو	تو کرے گا گلستان کی جستجو

۶

پیش ازاں کیں خار پا بیروں کنی	پاؤں کا کانٹا نکالا بھی تو کیا
چشم تاریک است جولاں چوں کنی	کوئی اندھا بھاگ سکتا ہے بھلا

۱ طوبیٰ جنت کے ایک درخت کا نام ہے۔ اس شعر کا مطلب ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضورؐ اور اولیائے کرام سے ایمان کی تازگی حاصل کی ان کی یہ تازگی طوبیٰ کی طرح دائمی ہے عارضی نہیں۔ ۲ یہ جسم اونٹ کی طرح کانٹے کھانے والا ہے یعنی نفسانی خواہشات کا بخوشی سے شکار ہوتا ہے اور اس جسم پر پاک روح (مصطفیٰ زادہ سے مراد پاک روح ہے) سوار ہے۔ ۳ مولانا جسم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ تجھ پر پاک روح کا بوجھ لدھا ہوا ہے جو سینکڑوں گلزاروں سے زیادہ خوش نما اور فرحت بخش ہے۔ ۴ اے جسم تو نفسانی خواہشات کے خارزار کی طرف کیوں کھچا جاتا ہے۔ کانٹوں سے پھولوں کی سی راحت کی امید بیکار ہے۔ ۵ اے انسان تو کب تک بے راہ روی کا شکار ہو کر منزل کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہے گا۔ ۶ منزل کی تلاش میں اگر تو نے اپنے پاؤں کا کانٹا نکالا بھی تو کیا حاصل کیا۔ اس لئے کہ تو اندھا ہے بھاگے گا کیسے۔ یعنی اگر نفسانی خواہشات پر قابو پا لیا تو پھر منزل تک جانے کیلئے تجھے بصیرت کی ضرورت ہوگی جو اہل صفا سے ہی مل سکتی ہے۔

۱

آدمی کو می نگنجد در جہاں　　وست عالم تھی کم جس کیلئے
در سر خارے ہمیں گردو نہاں　　چھپ گئی وہ روح نوک خار سے

چوں تو شیریں ازشکرباشی بود　　تو کہ میٹھا ہے شکر سے دیکھنا
کاں شکر گا ہے تو غائب شود　　وہ شکر تجھ سے نہ ہوجائے جدا

۲

چوں شکر گردی تاثیر وفا　　تیری شیرینی ہے تاثیر وفا
پش شکر کے از شکر گردو جدا　　ہو شکر سے کیسے شیرینی جدا

۳

زہر محض است آں کہ باشد بے وفا　　بے وفا ہیں زہر قاتل نابکار
ھب لنا یا ربنا نعم الوری　　نیک انساں کر عطا پروردگار

۴

عاشق از حق چوں غذا یابد رحیق　　جام عرفاں جب ہوا حق سے عطا
عقل آنجا گم شود گم اے رفیق　　بے حقیقت ہوگئی عقل رسا

۵

عقل جزوی عشق را منکربود　　عشق سے منکر ہے عقل نارسا
گرچہ بنماید کہ صاحب سربود　　کو ہے دعویٰ واقف اسرار کا

۱ روح لامکانی ہے وسعت عالم اس کیلئے کافی ہے لیکن لذت نفس سے ناپید ہوجاتی ہے نوک خار سے مراد نفس انسانی ہے۔

۲ اگر تیری زندگی ظاہری پن سے خوشنما ہے تو یہ صورت کسی وقت بدل بھی سکتی ہے اور اگر تیری زندگی حق تعالی سے وفاداری کے باعث خوشنما ہے تو پھر یہ خوشنمائی کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ ۳ بے وفا یعنی اللہ تعالیٰ کے نافرمانبردار زہر سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

۴ جب بارگاہ ایزدی سے بادہ عرفاں عطا ہو تو پھر اس کی مستی کے آگے عقل اپنی حقیقت کھو بیٹھتی ہے۔ رحیق شراب کو کہتے ہیں۔

۵ عقل انسانی جو حقیقتاً ناقص ہے اسرار الٰہی سے واقفیت کا دعویٰ تو کرتی ہے لیکن عشق کی قدرت سے منکر ہے حالانکہ عشق ہی بارگاہ خداوندی تک رسائی کا وسیلہ ہے۔

۱

زاں دمے کادمؑ ازو مدہوش شد　　جس صدا سے ہوش آدمؑ کھو گئے
ہوش اہل آسماں بے ہوش شد　　اور سب اہل فلک بے خود ہوئے

۲

مصطفیٰ بے ہوش شد زاں خوب صوت　　جس صدا کے کیف میں کھو کر نبیؐ
شد نمازش از شب تعریس فوت　　پڑھ نہ پائے تھے نماز فجر بھی

پس بزرگاں ایں نہ گفتند از گزاف　　کتنا پر معنی ہے قول اولیاء
جسم پاکاں عین جاں افتاد صاف　　جسم پاکاں مثل جاں پاک وصفا

۳

گفت شان و فعل شان و ذکر شاں　　قول و فعل و ذکر ان کا بے گماں
جملہ جان مطلق آمد بے نشاں　　جان مطلق کی طرح ہے بے نشاں

۴

جان دشمن دارشاں جسمے ست صرف　　ان کا دشمن جسم بے جاں کی طرح
چوں زیاد از نرد او اسمے ست صرف　　نرد کے بیکار ساماں کی طرح

۵

آں بخاک اندر شد کل خاک شد　　خاک میں مل کر ہوا وہ خاک خاک
ایں نمک اندر شد و کل پاک شد　　یہ ملا تو سب نمک تھا صاف و پاک

۶

آں نمک کز وے محمدؐ املح ست　　وہ نمک جس سے محمدؐ ہیں ملیح
زاں حدیث بانمک او افصح ست　　اس حدیث پاک سے وہ ہیں فصیح

۱ وحی الٰہی جس سے حضرت آدمؑ بیہوش ہو گئے تھے۔ ۲ تعریس: آخری شب میں پڑاؤ کرنا۔ حضورؐ کی نیند در اصل استغراق کی کیفیت تھی۔ جس کی وجہ سے بروقت نماز ادا نہ ہو سکی۔ ۳ پاک لوگوں کے قول و فعل بھی ان کی روح کی پاک ہوتے ہیں۔ یہ پاک لوگوں کا دشمن بے جان جسم کی طرح ہے۔ جیسے نرد کی سات بازیوں میں سے زیادہ نامی بازی جس کے ہر نقش میں ایک خال زیادہ کر دیتے ہیں۔ اس بازی کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس کا نام زیادہ ہے لیکن یہ صرف نام ہی نام ہے۔ ۵ اولیاء کا دشمن نفس کی لذتوں کی خاک میں مل کر سراسر خاک ہو گیا۔ اور مرد کامل محبت کی چاشنی میں غرق ہو کر سراسر پاک ہو گیا۔ ۶ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی یوسف صبیح تھے۔ اور میں ملیح ہوں ایک جگہ فرمایا کہ میں عرب سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ یعنی حضورؐ ملاحت اور فصاحت میں منفرد بھی تھے اور اس کا مظہر بھی۔

۱

زیرک و دانا ست امّا نیست نیست	کیا ہے عاقل گر فنائے حق نہیں
تافرشتہ لاشد اہر منے ست	مٹ گیا تو ہے ملک ورنہ لعیں
اوبقول و فعل یارِ ما بود	زندگی میں عقل ہے ہمدم مگر
چوں بحکم حال آئی لا شود	عالم عرفاں میں وہ بھی بے اثر
لابود اوچوں نہ شداز ہست نیست	کچھ نہیں وہ جو نہیں مٹتا کبھی
زانکہ طوعا لاشد کرہا بے ست	گر نہ ہو طاعاً تو پھر کرہا سہی

۲

جاں کمال ست وندائے او کمال	جاں کمال اس کی صدا سیں کمال
مصطفیٰ گایاں ارحنا یا بلالؓ	اذن نبوی لطف فرما اے بلالؓ

۳

اے بلال افراز بانگ سلسلت	رنگ جما آواز سے اس فیض کا
زاں دمے کا ندم دمیدم در دلت	جو ترے دل میں ہے میں نے بھر دیا
اے بلال ایں گلبنت را جاں سپار	اٹھ چمن کو رنگ و نکہت کر عطا
خیز بلبل وار جاں می کن نثار	مثل بلبل جاں گلوں پر کرفدا

۱ عاقل اگر عشق الٰہی میں فنا ہوا تو فرشتہ ورنہ شیطان یعنی اگر فرشتہ انکسار اور اپنی نفی سے کام نہ لے تو شیطان ہوگا۔ یہاں مولانا اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب ابلیس نے حضرت آدمؑ کے حضور سر جھکانے سے انکار کیا تھا۔ ۲ عشق کے حوالے سے اب مولانا عاشق رسول حضرت بلالؓ کا ذکر کرتے ہیں جن کی روح اور آواز عشق سے مست تھی۔ رسول اللہ انہیں اذان دینے کا حکم فرماتے ہیں۔ ۳ رسول پاکؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ میں نے تیرے دل میں جو عشق و مستی بھری ہے اسے اپنی آواز سے پھیلا دے۔

۱

آں نمک باقی ست از میراث او — اس ملاحت کے ہیں وارث سو بسو
با تو اند آن وارثان او بجو — اپنے گرد و پیش ہی کر جستجو

۲

پیش تو بشستہ ترا خود پیش کو — وہ ہیں تیرے رو برو اے کم نظر
پیش ہستت جان پیش اندیش کو — پر نہیں تو دور بیں اے خود نگر

۳

گر تو خود را پیش وپس واری گماں — تو ہے گرد و پیش میں الجھا ہوا
بستہ جسمی و محرومی ز جاں — جسم کا پابند جاں نا آشنا

۴

بر کشا از نور پاک شہ نظر — نور یزداں سے نظر تاباں کرو
تا نہ پنداری تو چوں کو تاہ نظر — کم نگاہوں کی طرح یہ کیوں کہوں

کہ ہمینی درغم و شادی و بس — تم بنے ہو عیش وغم کے واسطے
اے عدم کو مرعدم راپیش وپس — کچھ نہیں اہل عدم کے واسطے

۵

از وجود و از عدم گر بگذری — گر ہوئے ہست وعدم سے بے نیاز
از حیات جاودانی بر خوری — پا سکو گے عمر الافانی کے راز

۱ آنحضورؐ کا ارشاد ہے کہ علمائے کرام انبیاء عظام کے وارث ہیں یعنی حضورؐ کی معرفت کی چاشنی و ملاحت علماء اور اولیاء میں منتقل ہوتی ہے جو دنیا میں اب بھی موجود ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں شرط صرف جستجو کی ہے۔ ۲ وارثان رسول پاکؐ موجود ہیں لیکن وہ لوگ جن کی روح وجود یعنی دنیاوی معاملات میں گم ہے وہ ان کا احساس نہیں کر سکتے جب تک انسان اپنی ہستی کو فنا نہیں کرتا اس دور بین روح حاصل نہیں ہوتی۔

۳ جو انسان اپنے گرد و پیش یعنی دنیاوی باتوں میں اُلجھا ہوا ہو تو روح کی لذتوں سے محروم رہتا ہے۔ ۴ حقیقی معرفت حاصل ہو جانے سے انسان غم اور خوشی کی عارضی کیفیات سے جو کہ جسمانی صفات ہیں بے نیاز ہو جاتا ہے جب معرفت حقیقی حاصل ہو جائے تو پھر انسان ان دنیاوی احساسات سے نجات پالیتا ہے اور اس مقام پر فائز ہوتا ہے جہاں ان لذات وجذبات کو وجود باقی نہیں رہتا۔ ۵ جب انسان ہستی و نیستی کے احساس سے گزر کر عشق حقیقی میں گم ہو جاتا ہے تو اسے حیات ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔

[1]

روز باران ست میرو تا بہ شب تو ز باراں ہے چلو تا شب چلو
نے ازیں باراں ازاں باران رب جام جاں فیضان رحمت سے بھرو

ہست باراں باجزایں باراں بداں ہے یہ باراں عام باراں سے جدا
می نمی بیند ورا جز چشم جاں کون دیکھے دیدۂ جاں کے سوا

[2]

چشم جاں را باز کن نیکو نگر دیدۂ جاں کھول کر دیکھو کبھی
تا ازاں باراں عیاں بینی خضر اک زرا باران حق کی تازگی

[1] جب فیوض الٰہی برس رہے ہوں تو انسان کو ان سے پوری طرح فیضاب ہونا چاہیے۔

[2] فیوض الٰہی کا ادراک روح کی آنکھ سے کیا جا سکتا ہے اسلئے روح کی آنکھ کو زہد و تقویٰ سے کھول کر فیوض و برکات خداوندی سے فیضیاب ہونا چاہیے۔

دنیائے بے ثبات

۱

از برحق می رسد تفضیل ہا — ہر فضیلت ہے یہاں داد خدا
باز ہم از حق رسد تبدیل ہا — اور تغیر بھی اسی کا معجزہ

جملہ فضل اوست دانید ایں چنیں — ہے یہ سب اس کی عنایت اور عطا
سجدہ اش از جان و دل آرید ہیں — جان و دل سے کیجئے سجدہ ادا

۲

حق بدور ونوبت ایں تائید را — ہیں جدا تائید حق کے مرحلے
می نماید اہل ظن و دید را — اہل دل اہل گماں کے واسطے

۳

ہیں بملک نوبتی شادی مکن — خوش نہ ہو اس عارضی املاک پر
اے تو بستہ نوبت آزادی مکن — تو ہے قیدی ذکر آزادی نہ کر

۴

آنکہ ملکش برتراز نوبت تند — رب نے بخشی دائمی حشمت جسے
برتراز ہفت انجمش نوبت زنند — اس کے چرچے آسمانوں پر ہوئے

۵

برتر از نوبت ملوک باقیند — اہل دنیا سے بلند اہل بقا
دور دائم روحہا را ساقیند — وہ رہیں گے روح کے ساقی سدا

۱ انسان کو تمام فضائل حق تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوتے ہیں اور ان میں کمی و بیشی بھی اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ ۲ تائید ایزدی کے درجات ناقص اور کامل افراد کیلئے الگ الگ ہوتے ہیں۔ ۳ دنیاوی املاک پر خوش نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ انسان اس دنیا میں ایک قیدی کی طرح پابند ہے آزاد نہیں۔ وہ اپنی کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ ملک نوبتی اس سلطنت کو کہتے ہیں جو باری باری ملتی ہے یعنی زندگی کی نعمتیں کبھی کسی کو حاصل ہوتی ہیں اور کبھی کسی کو۔ ۴ جسے اللہ تعالیٰ اس کے اعمال صالح کی بدولت بلند مرتبہ عطا کرتا ہے اس کی عزت و حشمت لازوال ہوتی ہے اور اس کی شہرت عرش تک پہنچتی ہے یعنی اہل عرش بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ ۵ اہل حق کا مرتبہ اہل دنیا سے بالا ہوتا ہے اور قرب الٰہی کے باعث اپنی روح کو عشق الٰہی کی شراب سے سیراب کرتے رہتے ہیں۔

چوں بنوبت می و ہند ایں دوتست	عارضی ہے جب تری یہ عز و جاہ
ازچہ شد پُر باد آخر سبلتت	کیوں تکبر میں ہوا ہے مبتلا

۱

ترک ایں شرب ارنگوئی یک دو روز	گرےِ دنیا سے ہو کچھ دن بھی دور
ترکنی اندر شراب خلد پوز	خُلد میں پاؤ گے تم جام طہور
یک دوروزے چہ کو دنیا ساعتے ست	زندگی دو دن تو کیا دم بھر کی ہے
ہر کہ ترکش کرد اندر راحتے ست	جو بھی دنیا چھوڑ دے وہ خوش رہے
معنی الترک راحت کوش کن	ترک دنیا میں ہی راحت ہے سدا
بعد ازاں جام بقا را نوش کن	چھوڑ کر دنیا کو پی جام بقا

۲

باسگاں بگذار ایں مردار را	چھوڑ دے دنیا کو کتوں کیلئے
خرد بشکن شیشہ پندار را	توڑ دے شیشے غرور و ناز کے

۱ اگر تم نے لذات دنیا کو ترک کر دیا تو آخرت میں لذات دائمی حاصل ہوں گی۔

۲ اس دنیا کی لذتوں کو حرص و ہوس کے بندوں کیلئے چھوڑ دے جن کی مثال ان کتوں کی ہے جو چبائی ہوئی ہڈیوں پر بھی جھپٹتے ہیں۔

تفسیر آیت

وھو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو)

۱

گر بجہل آئیم آن زندان اُوست — جہل کو اللہ کا زنداں سمجھ
ور بعلم آئیم اُو ایوانِ اُوست — علم کو اللہ کا ایواں سمجھ

۲

گر بخواب آئیم مستانِ وئیم — نیند میں ہیں یادِ حق سے مست خو
ور بہ بیداری بدستانِ وئیم — اور بیداری میں اس کے مداح کو

۳

ور بگرئیم ابرِ پُر زرقِ وئیم — ہم اگر روئیں تو ہیں ابرِ صفا
ور بخندیم آں زماں برقِ وئیم — اور ہنسیں تو اس کی برقِ پُر جلا

ور بخشم و جنگ عکسِ قہرِ اُوست — جنگ اور غصہ میں اُس کا قہر ہیں
ور بصلح و عذر عکسِ مہرِ اُوست — صلح و فہمائش میں اُس کا مہر ہیں

۴

ما کہ ایم اندر جہانِ پیچ پیچ — اس جہانِ پیچ وخم میں کیا ہیں ہم
چوں الف اُو خود کہ دارو ہیچ ہیچ — ہاں الف ہیں اور بے مایہ ہیں ہم

۵

چوں الف گر تو مجرو می شوی — تو بھی گر مثلِ الف ہو بے نیاز
اندر ایں مرد مفرد می شوی — زندگی کی رہ میں ہوگا سرفراز

جہد کن تا ترکِ غیرِ حق کُنی — ماسوا اللہ کے سب کچھ چھوڑ دے
دل ازیں دنیائے فانی بَر کُنی — دہرِ فانی سے تعلق توڑ دے

۱ جہل اور بے خبری ایک قید خانہ ہے جب کہ علم و عرفان حق تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا سبب اور وسیلہ ہے۔ ۲ اہل صفا نیند میں اس کی یاد سے مست ہوتے ہیں یعنی غافل نہیں ہوتے اور بیداری میں اس کے ذکر و اس کی تعریف و توصیف میں مگن رہتے ہیں۔ ۳ وہ اگر روتے ہیں تو ان کے آنسو صفا کے قطرے کی طرح ہوتے ہیں اور جب ہنستے ہیں تو بجلی کی تجلی رونما ہوتی ہے یعنی ان کی تمام صفات انسانی اللہ تعالیٰ کی مختلف شانوں کی مظہر ہوتی ہے۔ ۴ اس پیچ دنیا میں ہم الف کی طرح مستقیم ہیں جس پر کوئی نقطہ نہیں یعنی دنیاوی مال و دولت سے خالی اور بے نیاز ہیں۔ ۵ اگر انسان الف کی طرح تہی دامن ہو تو اس (انسان) کو الف کی طرح سربلندی بھی حاصل ہوگی۔

عشقِ ضدّین

۱

اے بدی کہ تو کنی در خشم و جنگ　　قہر میں تیرا ستم اے ذی قدر
با طربِ تر از سماں بانگِ چنگ　　ہے نوائے ساز سے شیرین تر

۲

اے جفائے تو ز دولت خوب تر　　مال و زر سے خوب تر تیری جفا
و انتقام تو ز جاں محبوب تر　　جان سے محبوب تر تیری سزا

۳

نارِ تو ایں ست نورت چوں بُود　　آگ ایسی ہے تو کیسا ہوگا نور
ماتم ایں تا خود کہ سورت چوں بُود　　غم ترا یوں ہے تو کیا ہوگا سُرور

از حلاوتہا کہ دارد جورِ تو　　ہیں بہت شیریں ترے جور و جفا
وز لطافت کس نیابد غورِ تو　　کس کو اندازہ ہے تیری ذات کا

۴

فی المثل جورت اگر عریاں شود　　راز ہو تیرے ستم کا گر عیاں
گر جہاں گریاں بُود خنداں شود　　روتے روتے خندہ زن ہو سب جہاں

۱ مولانا عرض کرتے ہیں کہ اے رب کریم تیرا قہر وغضب بھی سارنگی کی آواز سے شیریں تر ہے اس لئے کہ تیرا ارشاد ہے ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے لہٰذا تیری دی ہوئی سزا ہو جب جزا ہوتی ہے۔ اگلے شعر میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲ اے رب تیری تنگی دنیا جہان کی نعمتوں اور زندگی سے بھی عزیز تر ہے اس لئے کہ اس میں تیری مرضی اور خوشی ہے۔

۳ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے غم میں اتنا لطف ہے تو اس کی عطا کی ہوئی خوشی میں کتنا سرور ہوگا۔

۴ اگر ہماری مصیبتوں کی حقیقت واضح ہو جائے تو ہم روتے روتے ہنسنے لگیں اس لئے کہ تکالیف ہمارے برے اعمال کی کفارہ ہوتی ہیں۔

۱

نالم و ترسم کہ اُو باور کند — ڈر ہے رونے پر مرے کر کے یقیں
وز ترحم جور را کم تر کند — کم نہ کر دے وہ جفاؤں کو کہیں

۲

عاشقم بر قہر و بر لطفش بجد — اس کے قہر و مہر پر ہوں میں فدا
اے عجب من عاشقِ ایں ہر دو ضد — کیا عجب شیدا ہوں ان اضداد کا

۳

عشقِ من بر مصدرِ ایں ہر دو ضُد — ان کے منبع سے محبت ہے مجھے
چوں نباشد عشق کز وے نیست بُد — کوئی چارہ ہی نہیں کیا کیجئے

۴

واللہ ار زیں خار در بُستاں شوم — گُل کی خاطر خار سے ہو کر جدا
ہمچو بلبل زیں سبب نالاں شوم — رات دن روؤں گا بلبل کی طرح

۵

عاشقِ کُل است و خُود کل است اُو — خود ہی کُل اور خود ہی وہ شیدائے کُل
عاشق خویش است و عشقِ خویش جُو — خود ہی عشق و عاشق و جویائے کُل

۱ ذات باری کا چاہنے والا کہتا ہے کہ مجھے ڈر ہے میرے رونے کو دیکھ کر وہ رحیم و کریم ازراہ کرم میری مصیبتیں کم نہ کر دے اور یوں میں مصیبتوں کے صلے میں ملنے والے اجر سے محروم نہ ہو جاؤں۔

۲ میں اللہ تعالیٰ کے قہر اور مہر دونوں پر جان و دل سے فدا ہوں یہ بھی اس کا کرم ہے کہ میں ان دو متضاد چیزوں پر فریفتہ ہوں۔

۳ عاشق صادق کہتا ہے کہ مجھے حق تعالیٰ کے قہر اور مہر دونوں سے اس لئے یکساں محبت ہے کہ میں ان دونوں کے منبع یعنی ذات خداوندی سے محبت کرتا ہوں۔ چنانچہ اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ہر چیز سے مجھے محبت اور عشق ہے۔

۴ مجھے جس طرح ذات پاک سے محبت ہے اسی طرح اس کی جفاؤں سے بھی۔ جو اس بات کی دلیل ہیں کہ میں اس کی نظر میں ہوں۔ اگر یہ جفائیں ترک ہو گئیں تو میں احساس بیگانگی سے زار و قطار روؤں گا۔

۵ ذات باری جامع الصفات ہے۔ وہ کل ہے اور ہم اس کل کے جزو ہیں۔ لہٰذا کل سے ہمارا عشق گویا کل کا خود اپنی ذات سے عشق ہے۔

راضی بہ رضا

[۱]

آنکہ از حق یابد اُو وحی و خطاب　　ذاتِ حق جس شخص کی ہو رہنما
ہر چہ فرماید بُود عین صواب　　اس کا ہر اک قول ہوتا ہے بجا

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست　　جس نے دی ہے جاں وہ جاں لے لے تو کیا
نائب است و دستِ او دستِ خداست　　اہلِ حق کا ہاتھ ہے دستِ خدا

[۲]

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ　　مثلِ اسمٰعیل اپنا سر جھکا
شاد و خنداں تیغت جاں بدہ　　سہہ خوشی سے وار اُس کی تیغ کا

[۳]

تا بماند جانت خنداں تا اَبد　　تا کہ تیری جاں رہے شاداں سدا
ہمچو جانِ پاکِ احمدؐ با اَحد　　جیسے حق کے ساتھ جانِ مصطفٰیؐ

[۴]

عاشقاں جامِ فرح آنگہ کشند　　سرخوشی سے اہلِ دل ہیں جھومتے
کہ بدست خویش خوباں شاں کشند　　قتل جب ہوتے ہیں دستِ یار سے

۱ جسے حق تعالٰی کی طرف سے ہدایت ملتی ہے اس کا ہر قول درست ہوتا ہے۔
۲ اس شعر میں حضرت اسماعیلؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب وہ حضرت ابراہیمؑ کی خواب کی تکمیل کیلئے بصد رضا و خوشی سر اطاعت زمین پر رکھ دیتے ہیں تاکہ حضرت ابراہیمؑ بارگاہِ ایزدی میں ان کی قربانی دیں۔
۳ مولانا فرماتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح کی اطاعت کی خو پیدا کرو جس طرح آنحضورؐ تسلیم و رضا کے باعث قربِ الٰہی نصیب ہوا۔
۴ اللہ کے چاہنے والے جب اس کی رضا اور خوشنودی کیلئے جان دیتے ہیں تو اس وقت وفورِ مسرت سے اپنی کامیابی پر جھوم اٹھتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی محب کا اپنے محبوب کیلئے اس کے ہاتھوں مارا جانا معراجِ محبت ہے۔

عشقِ الٰہی

عشقِ زندہ در روان و در بَصَر — عشق لافانی سے تیرے چشم و جاں
ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر — ہیں سدا خوش رنگ ورشک گلستاں

عشقِ آں زندہ گزیں کو باقی ست — دل میں لافانی کی چاہت کو بسا
و ز شرابِ جانفزایت ساقی ست — وہ پلائے گا شراب جانفزا

عشقِ آں بگزیں کہ جملہ انبیاء — دل کو عشقِ ذات ربی سے سنوار
یافتند از عشقِ اُو کار و کیا — ہے یہی نبیوں کی وجہ افتخار

تو مگو ما را ابداں شہ بار نیست — کیوں کہو شہہ تک رسائی ہے کہاں
بہ کر یماں کارہا دشوار نیست — حل کرے گا مشکلیں وہ مہرباں

رحمتِ حق

[1]

کُنْتُ کَنْزاً رَحْمَۃً مَخْفِیَّۃً   میں کہ تھا پوشیدہ مخزن رحم کا
فَابْعَثْتُ اُمَّۃً مَھْدِیَّۃً   بھیجی اک اُمت ہدایت یافتہ

ہر کراماتے کہ میجوئی بجاں   دل سے جو مانگا کیا مجھ کو عطا
اُو نمودت تا طمع کردی دراں   آرزو کرنے پہ یوں مائل کیا

[2]

چندبت بشکست احمدؐ در جہاں   جب ہوئے احمدؐ کے ہاتھوں بت فنا
تا کہ یا ربّ گوئی کہند اُمتاں   ہر طرف یا ربّ کی گونج اٹھی صدا

گر نبودے کوششِ احمدؐ تو ہم   ذاتِ احمدؐ کے کرم سے بچ گئے
می پرستیدی چو اجدادت صنم   ورنہ پہلوں کی طرح بُت پوجتے

[3]

گر بگوئی شکرِ ایں رَستن بگو   شکر کرنا ہے تو کر اس کا ادا
کز بتِ باطن ہَمَتْ برہاند اُو   باطنی بت سے بھی چھٹکارا ملا

[4]

سر زِ شکرِ دیں ازاں بر تافتی   ناسپاسی نعمتِ دیں کی نہ کر
کز پدر میراثِ ارزاں یافتی   قدر کر گو ہے یہ میراث پدر

1 حدیث شریف کے مطابق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا امت محمدیہ یعنی امت محمدی جس کو معرفت ذات وصفات کا پورا علم عطا کیا گیا۔ اس شعر میں اسی حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے 2 آنحضور کی بعثت بھی انہی عطیات خداوندی میں سے ہے جس کی برکت سے انسان نے بتوں کے آگے جھکنے سے نجات پائی اور حق پرستی اختیار کی 3 شکر ادا کرنا ہے تو رسول پاک کا ادا کر جس نے پیغام حق پہنچایا اور دین الٰہی کی نعمت حاصل کر کے تمھیں خود پرستی اور بت پرستی سے نجات ملی 4 دین مبین کی نعمت تمھیں ملی ہے اس کی قدر کر اگرچہ تمھیں یہ نعمت اپنی محنت سے نہیں بلکہ میراث پدر کے طور پر آسانی سے حاصل ہوئی ہے۔

چو بگریانم بجوشد نعمتم[1]   جب رلاؤں تو ہمہ رحمت ہوں میں
آں خروشندہ بنوشد نعمتم   رونے والے کیلئے "نعمت ہوں میں"

رحمتم موقوفِ آں خوش گریہ ہاست   آہ و زاری میری رحمت کا سبب
بعد ازاں از بحرِ رحمت موج خاست   جوشِ رحمت میں ہے شدّت کا سبب

نفس

ہیں سگِ ایں نفس را زندہ مخواہ   نفس کے کُتّے کو ہے کیوں پالتا
کُو عدِوّ جانِ تست از دیر گاہ   مدّتوں سے دشمنِ جاں ہے ترا

سگ بِنہٖ بر استخواں چوں عاشقی   مثلِ سگ کیوں جسم پر مرتا ہے تو
دیوچہ وار از چہ بَر خوں عاشقی   جونک بن کر خوں طلب کرتا ہے تو

آنچہ حشمت آنکہ بینائیش نیست   آنکھ وہ کیا جس میں بینائی نہ ہو
ز امتحانہا جز کہ رسوائیش نیست   امتحاں میں کیسے رسوائی نہ ہو

سہو باشد ظنّہا را گاہ گاہ   بدظنی ہو گاہے گاہے تو بجا
ایں چہ ظن ست اینکہ کور آمد بُراہ[2]   اندھا پن ہے بدظنی گر ہو سدا

[1] حق تعالیٰ پہلے گریہ وزاری کی توفیق عطا کرتا ہے اور پھر اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے۔یعنی اس کی بخشش ورحمت اپنے بندے کو نوازنے کیلئے بہانہ ڈھونڈتی ہے۔چنانچہ دوسرے شعر میں اس نکتہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

[2] اگر انسان لذات دنیاوی اور اخروی میں فرق نہیں کرسکتا تو یہ غلطی قابل معافی نہیں بلکہ اندھا پن ہے۔

۱

کردہ بر دیگراں نوحہ گری   تو نے کی اغیار کی نوحہ گری
مدّتے بنشیں و بر خود می گری   اپنے حالِ زار پر بھی رو کبھی

۲

ز ابر گریاں شاخ سبز و تر شود   ابر جب رویا تو دنیا کھل اٹھی
زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود   شمع جب روئی تو روشن تر ہوئی

۳

ہر کجا نوحہ کنند آنجانشیں   بیٹھ اُن کے ساتھ جو ہیں اشکبار
زانکہ تو اولیٰ تری اندر حنیں   اشکباری سے ہی پاؤ گے قرار

۴

زانکہ ایشاں در فراقِ فانی اند   وہ کہ فانی کیلئے ہیں اشک بر
غافل از لعلِ بقائے کانی اند   ہیں بقا کی نعمتوں سے بے خبر

عطائے ربی

ہست بر مومن شہادت زندگی   مرد مومن کی شہات زندگی
بر منافق مرد نست ژندگی   اور منافق کیلئے ناپیدگی

چیست در عالم بگو یک نعمتے   نعمتیں ہیں یوں تو دنیا میں کئی
کہ نہ محروم اند از وے اُمّتے   کیا ہر اک انسان کو ملتی ہیں سبھی

گاؤ و خر را فائدہ چہ در شکر   گاؤ و خر شکر سے ہیں نا آشنا
ہست ہر جاں راکیے قوتے دِگر   ہر کسی کی ہے جدا گانہ غذا

۱ تو نے دوسروں کی خرابیاں دیکھ کر اشک بہائے۔ اک ذرا اپنے پر غور کر اور اپنی کوتاہیوں پر بھی رو لے ۲ جب بھی بادل برستا ہے تو دنیا میں سبزہ و گل کھل اٹھتے ہیں اور جب شمع جلتے ہوئے آنسو ٹپکاتی ہے اس کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ موم کے پگھلنے سے اس کی لو زیادہ لمبی ہو جاتی ہے اور یوں روشنی بھی بڑھ جاتی ہے ۳ جو لوگ ذات الٰہی کی یاد میں اشکبار ہوتے ہیں ان کی صحبت کے فیض سے اطمینان قلب حاصل ہوگا جس طرح جلتی شمع جب آنسو بہاتی ہے تو اس کی روشنی زیادہ ہو جاتی ہے اور شمع کے آس پاس بیٹھنے والے اس کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں ۴ جو حضرات کسی فانی انسان کے عشق میں آنسو بہاتے ہیں وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ اس ذات کی یاد میں آنسو بہانا بہت بہتر ہے جو دائم و قائم ہے لعل بقائے کانی کا مطلب بقا کی کان کا لعل بے بہا یعنی حیات ابدی ہے ۵ جس طرح شہادت مومن کیلئے مفید اور منافق کیلئے مضر ہے اسی طرح دنیا کی ہر نعمت کسی کیلئے مفید اور کسی کیلئے مضر ہے۔

۱

چوں کسے کو از مرض گل داشت دوست — مٹی کھانے کی مرض میں مبتلا
گرچہ پندارد کہ آں گِل قُوت اُوست — سمجھے بیٹھا ہے اسے اپنی غذا

قُوتِ اصلی راہ فرامش کردہ است — بھول کر اصلی غذا وہ بے خبر
روئے در قُوتِ مرض آوردہ است — حیف کیوں مائل ہے مشتِ خاک پر

نوش را بگذاشتہ سم خوردہ است — شہد کے بدلے میں سم کھاتا ہے وہ
قُوتِ علت ہمچو چوبش کردہ است — سوکھ کر لکڑی ہوا جاتا ہے وہ

۲

قُوتِ اصلی بشر نورِ خداست — نورِ حق انساں کی ہے اصلی غذا
قُوتِ حیوانی مر او را نا سزاست — ہے غذا حرص و ہوس کی ناروا

۳

لیک از علت دریں افتاد دل — اس مرض سے جب بھٹک جاتا ہے وہ
کہ خورد او روز و شب از آب و گل — آب و گل سے ہی غذا پاتا ہے

۴

روئے زرد و پائے سست و دل سبک — زرد رُو کمزور دل اور سُست پا
کو غذائے والسما ذاتِ الحُبک — کیسے پائے آسمانوں کی غذا

۱ جو انسان مٹی کھانے کی عادت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے اپنی غذا سمجھتا ہے وہ اپنی موت کو دعوت دیتا ہے یعنی جو کوئی برائی کو اچھائی سمجھ کر اپنا تا ہے وہ تباہی کو گلے لگاتا ہے۔

۲ انسانی زندگی کی حقیقی قوت نورِ معرفت سے حاصل ہوتی ہے وہ دنیاوی حرص و ہوس سے نہیں۔

۳ جب کوئی انسان حرص و ہوس کے مرض میں مبتلا ہو کر حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ انہی پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

۴ حرص و ہوس کے مرض میں مبتلا انسان روحانی کمزوری کا شکار ہو کر آسمانی یعنی انعامات خداوندی سے محروم ہو جاتا ہے۔

۱

آں غذائے خاصگانِ دوست است — وہ غذا ہے بندہ گانِ ناب کی
خور دنِ آں بے گُلو و آلت است — جن کو کچھ حاجت نہیں اسباب کی

۲

شد غذائے آفتاب از نورِ عرش — عرش کے انوار سورج کی غذا
مرحسود و دیو را از دود فرش — اور شیاطیں کی غذا دودِ سیاہ

در شہیداں یُرزَقُو فرمود حق — قولِ حق ہے رزق پاتے ہیں شہید
آں غذا رانے وہاں بُدنے طبق — بے دہن بے کاب کھاتے ہیں شہید

۳

دل زہر یارے غذائے می خورد — دل کو اہلِ دل سے ملتی ہے غذا
دل زہر علمے صفائے می بُرد — اہلِ عرفاں سے وہ پاتا ہے جِلا

از لقائے ہر کسے چیزے خوری — ہر کسی سے مل کے کچھ پاتا ہے تو
وز قِرانِ ہر قریں چیزے بری — مل کے ہر ساتھی سے کچھ لاتا ہے تو

۴

چوں ستارہ با ستارہ شد قریں — اک ستارہ جب بھی دوجے سے ملا
لائق ہر دو اثر زاید یقیں — مل کے دونوں کا اثر بھی بڑھ گیا

از قِرانِ مرد وزن زاید بشر — مرد و زن سے ہی بشر پیدا ہوا
وز قِرانِ سنگ و آہن ہم شرر — سنگ و آہن سے شرر پیدا ہوا

۱ آسمانی غذا اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کی غذا ہے جس کے کھانے کیلئے عالم ناسوت کے وسائل کی ضرورت نہیں۔ آسمانی غذا سے مراد روحانی غذا ہے جو زہد و تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔ ۲ سورج سے مراد نیک بندگان خدا اور شیطان سے مراد بدکار انسان ۳ دل کی حقیقی غذا معرفت الٰہی ہے اور یہ غذا اسے اہل دل سے ہی ملتی ہے ۴ اب مولانا کچھ اور مثالیں پیش فرماتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کسی دوسری چیز سے مل کر غذا اور تقویت حاصل کرتی ہے۔

و ز قِرانِ خاک با با رانہا
میوہ ہا و سبزہ ہا ریحانہا

خاک اور بارش کے ملنے سے سدا
پھول مہکے پھل ہوئے سبزہ کھلا

وز قِرانِ سبز ہا با آدمی
دل خوشی و بے غمی و خرمی

اور انسان سبزہ و گل دیکھ کر
بے غم و مسرور آتا ہے نظر

خلق را طاق وطرم عاریت است
اَمر را طاق وطرم ماہیت است

ہے یہاں کی شان وشوکت عارضی
علم و عرفاں کی جلا ہے دائمی

اَز پے طاق وطرم خواری کشند
بَر امیدِ عزؔ در خواری خوشند

ذلتیں سہتے ہیں شوکت کے لئے
خوش ہیں وہ ذلت میں شوکت کے لئے

بر امید عز دہ روزہ خدوک
گردن خود کردہ اندازِ غم چو دوک

چند روزہ شان کی امید پر
ہیں دو تا تکلے کی صورت بے خبر

چوں نمی آیند ایں جا کہ منم
کاندریں عز آفتاب روشنم

میں جہاں ہوں اِس جگہ آئیں شتاب
میں ہوں عزت کا چمکتا آفتاب

مشرقِ خورشید برق قیر گوں
آفتاب ما ز مشرقہا بروں

شرق تو سورج کا ہے برجِ سیاہ
میرا سورج مشرقوں سے مادورا

۱ دنیا کی کشمکش اور عروج وزوال سے نجات پانے کے لئے معرفت خداوندی کے مقام پر جائیں جہاں نورالٰہی کا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہتا ہے۔ ۲ دنیاوی سورج تو مشرق سے نکل کر مغرب میں غروب ہوجاتا ہے لیکن ذات باری کا سورج شرق وغرب سے ماورا ہے۔اس کی چمک ذروں کو ایسا آفتاب بنادیتی ہے جو طلوع وغروب سے بےنیاز ہوتے ہیں۔

مشرق اُو نسبتِ ذراتِ اُو ۱ ذروں سے نسبت ہے اس کی شرق ساز
نے برآمد نے فروشد ذاتِ اُو وہ ابھرنے ڈوبنے سے بے نیاز

ما کہ واپس ماندہ ذراتِ وئیم ہم جو اس کے ذروں کے پسماندہ ہیں
در دو عالم آفتاب بے فئیم دونوں عالم میں سدا تابندہ ہیں
۲
باز گردَ شمس می گردم عجب پھر بھی اس کے گرد ہی رقصاں ہیں ہم
ہم ز فرِشمس باشند ایں سبب یہ بھی اس سورج کی ہے شان کرم
۳
شمس باشد بر سببہا مطلع ہر سبب سے ہے وہ سورج با خبر
ہم از وجبل سببہا منقطع ہر سبب مٹتا ہے اس کے حکم پر
۴
صد ہزاروں بار ببریدیم امید ترک کیں اس سے امیدیں بارہا
از کہ از شمس شا باور کنید کس سے؟ سورج سے یقیں کیجئے مرا

تو مرا باور مکن کز آفتاب مان لیجئے زندگی پی کے بغیر
مہر دارم من و یا ماہی زآب جس طرح مچھلی ہو پانی کے بغیر
۶
ور شوم نومید نومیدیِ من میں اگر مایوس ہوتا ہوں کبھی
عین صبحِ آفتاب است اے حسن مجھ کو مایوسی بھی ہے اس نے ہی دی

۱ اولیاء اللہ جو ذات باری کے جلووں سے کسبِ نور کرتے ہیں دونوں عالموں میں مثل آفتاب درخشاں ہیں۔ ۲ صاحب دل حامل نور ہونے کے باوجود اس آفتاب کا طواف کرتے ہیں طواف اور تقرب کی یہ قوت بھی اسی آفتاب حق کی عطا کردہ ہے۔ ۳ آفتاب حق کے گرد گردش جو اس کے تقرب کا سبب ہے خود اسی کی عطا کردہ ہے جس طرح نتائج قبضہ قدرت میں ہیں اسی طرح اسباب بھی قبضہ قدرت میں ہیں۔ ۴ ذات باری تک پہنچنے کی راہ میں کئی بار مایوسیاں بھی ہوئیں۔ ۵ لیکن یہ مایوسی ترک سعی کا سبب نہیں تھی مایوس ہو کر صبر کر کے بیٹھ جاؤں یہ بھی ممکن نہیں بھلا مچھلی پانی کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتی ہے ۶ میری مایوسی بھی خدائے بزرگ و برتر کی عطا کردہ ہوتی ہے اور چونکہ یہ اس کی داد ہے لہٰذا یہ ذات باری سے تعلق کو مزید استوار کرتی ہے اس لئے کہ انسان مایوسی میں اسی سے ملتجی ہوتا ہے۔

یارِ حقیقی

۱

گر ز تنہاء چو ناہیدے شوی   تم کہ تنہائی میں ہو زہرہ تاب
زیرِ ظلِ یار خورشیدے شوی   یار کے سائے میں ہو گے آفتاب

۲

رو بجُو یارِ خدائے را کہ زُود   ہاں اُسے ڈھونڈو جو ہے یارِ خدا
چوں چناں کر دی خدا یارے تو بود   یہ کیا تو پھر خدا ہو گا ترا

۳

یار آئینہ ست جاں را در حزن   یار غم میں آئینہ ہے روح کا
در رُخِ آئینہ اے جاں دم مزن   آئینہ پر پھونکنا ہے ناروا

تانپو شد روئے خود را از دمت   تو نے دم مارا تو وہ دھندلائے گا
دم فرو بردن بباید کز دمت   اس لئے اچھا نہیں دم مارنا

کم ز خاکی! چونکہ خاکے یار یافت   کم ہو کیا مٹی سے؟ جس نے پا لیا
از بہارے صد ہزار انوار یافت   یار کو اور فصلِ گل حاصل کیا

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک   صاف ہو یہ دل کا آئینہ اگر
نقشہا بینی بُروں از آب و خاک   نقشِ آفاقی بھی آئیں گے نظر

۱ پیر کامل کی صحبت تنہائی کی عبادت سے زیادہ فیض رساں ہے۔
۲ اہل اللہ کو تلاش کرو اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہو۔ ان کی ہمنشینی قرب الٰہی کا سبب ہے۔
۳ شیخ کامل روح کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے دم مارنا یعنی اپنی بڑائی کرنا اچھا نہیں بلکہ اس کی صحبت سے استفادہ کرنا چاہئے۔
۴ مٹی اپنی عاجزی کی بدولت فصلِ بہار سے فائدہ حاصل کرتی ہے اور طرح طرح کے پھول اگاتی ہے۔ تمہیں بھی شیخ کے حضور عجز و نیاز سے کام لے کر معرفت کے پھول چننا چاہئے۔

ہم بہ بینی نقش و ہم نقاش را
فرش دولت را و ہم فراش را

جلوہ گر ہو نقش بھی نقاش بھی
دیکھ پائیں فرش بھی فراش بھی

۱

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من
صورتش بت معنی او بت شکن

ہے خلیل اللہ خیالِ یار بھی
بت شکن ہے یہ بتِ طنّاز بھی

۲

شکرِ یزداں را کہ چوں اُوشد پدید
در خیالِ اُو خیالِ حق رسید

شکر ہے جب بھی کیا اُس کا خیال
اُس میں پایا جلوہ گر حق کا جمال

شکرِ معطی را کہ چوں او در رسید
در خیالش جاں خیالِ خود بدید

شکر حق جب بھی کیا اُس کا خیال
اُس میں دیکھا جاں نے خود اپنا خیال

خاکِ درگاہت دلم را می فریفت
خاک بروئے کوز خاکت می شکیفت

میں ہوں شیدا تیرے در کی خاک کا
خاک ہو اِس خاک سے جو ہے جدا

چارہ آں باشد کہ خود را بنگریم
در خورِ آینم و یا نادر خوریم

آؤ دیکھیں اک نظر اپنے تئیں
ہم بھلا ہیں اس کے لائق یا نہیں

اُو جمیل است و یُحِبُّ لِلْجمال
کے جوانِ نو گزیند پیرہ زال

وحسیں ہے حسن ہے اس کی پسند
کب جواں کو پیر زن ہو گی پسند

۱ خیال یار خلیل اللہ کی طرح ہے جنہوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا "ھذا ربی" یہ میرا رب ہے۔ یہ جملہ ایک مدعا تھا جو بظاہر بت پرستی تھی لیکن درأصل اس کا اثبات اس کے ابطال کیلئے تھا جو بت شکنی تھی اس لئے شیخ کا تصور بظاہر بت پرستی ہے لیکن انسان چونکہ اس تصور سے باحق ایسا محو ہو جاتا ہے اس لئے یہ بت پرستی نہیں بلکہ بت شکنی ہے۔ اس خیال کی وضاحت اگلے شعر میں ہوجاتی ہے۔

۲ پیر کامل کے تصور نے ہمارے دل ودماغ سے دنیاوی تصورات کو محو کر دیا اور ہم یاد الٰہی میں کھو گئے۔ اس طرح ہمیں نفس کی پہچان کرا اور مغلوب کر کے معرفت الٰہی حاصل ہوئی۔ ارشاد ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔

۱

خوب خوبی را کند جذب ایں بداں　　　خوب خوبی کو ہی چاہے گا سدا
طیّبات و طیبین بر وے بخواں　　　طیبات و طیبین کو پڑھ ذرا

در ہر آں چیزے کہ تو ناظر شوی　　　اس جہاں کو غور سے دیکھے اگر
می کند با جنس سیر اے معنوی　　　ہم صفت ہوں گے ہمیشہ ہمسفر

در جہاں ہر چیز چیزے جذب کرد　　　یاں ہر اک شے دوسری شے سے ملے
گرم گرمی را کشید و سرد سرد　　　گرم سے گرمی تو سردی سرد سے

۲

قسمِ باطل باطلاں را می کشند　　　باطلوں کو باطلوں میں ہے کشش
باقیاں از باقیاں ہم سر خوشند　　　باقیوں کی باقیوں میں ہے کشش

ناریاں مر ناریاں را جاذِب اند　　　ناریوں کی ناریوں میں ہے کشش
نوریاں مر نوریاں را طلب اند　　　نوریوں کی نوریوں میں ہے کشش

صاف را ہم صافیاں راغب شوند　　　صاف دل کو صاف دل سے لگن
دزد را ہم تیر گاں جاذب بوند　　　تیرہ دل کا گندگی سے ہے ملن

زنگ را ہم زنگیاں باشند یار　　　زنگیوں کا زنگیوں سے ہے ملاپ
روم را با رومیاں افتاد کار　　　رومیوں کا رومیوں سے ہے ملاپ

۱ قرآن حکیم میں ہے "الطیبات للطیبین" یعنی پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں۔
۲ اہل دل اور اہل ہدایت اپنے جیسے اہل صفات میں ہی کشش پاتے ہیں۔

او چو می خواند مرا من بنگرم   مجھ پہ وہ ہوتا ہے جب بھی مہرباں
لائقِ جذبم و یا بد پیکرم   سوچتا ہوں میں کہاں اور وہ کہاں

۱

گر لطیفے زشت را در پے کند   خوب رو کا زشت رُو کو ڈھونڈنا
تسخرے باشد کہ اُو بر وے کند   اور کیا ہو گا تمسخر کے سوا

۲

کے ببینم روئے خود را اے عجب   کیسے دیکھوں اپنی صورت کو بھلا
تاچہ رنگم ہمچو روزم یا چو شب   رنگ ہے پُر نور یا شبگوں مرا

۳

نقشِ جان خویش می جستم بسے   دیکھ لوں خود کو بہت کی جستجو
ہیچ می نمود نقشم از کسے   بر نہ آئی حیف میری آرزو

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست   کیوں نہ دیکھوں آئینہ، آیا خیال
تا بداند ہر کسے کہ جنس کیست   جس میں آتا ہے نظر اپنا جمال

۴

آئینہ آہن برائے پوستہاست   آہنی آئینہ تن کے واسطے
آئینہ سیمائے جاں سنگیں بہاست   وہ گراں ہے جو ہے من کے واسطے

آئینہ جاں نیست الا روئے یار   من کا آئینہ تو ہے وہ روئے یار
روئے آں یارے کہ باشد زاں دیار   نورِ حق رہتا ہے جس میں جلوہ بار

۱ جب یہ طے ہے کہ ہم جنس ہم جنس کا طالب ہوتا ہے یعنی اچھا اچھے کو پسند کرتا ہے اور برا برے کو تو پھر مقام حیرت ہے کہ کوئی حسین کسی بد صورت کو تلاش کرے۔ یہ بات تو محض مذاق ہوگی لیکن سچ تو یہ ہے کہ رب غفور و رحیم کی بخششوں کو ہمیشہ گنہگاروں کی تلاش رہتی ہے۔

۲ انسان اپنی صورت نہیں دیکھ سکتا تاوقتیکہ کوئی آئینہ نہ ہو جس میں وہ اپنے رنگ اور نقش و نگار کو دیکھ سکے۔

۳ جب لاکھ کوشش کے باوجود اپنے آپ کو دیکھنا یعنی اپنی اچھائی اور برائی کو پہچاننا ممکن نہ ہوا تو پھر کسی آئینہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۴ صیقل کئے ہوئے دنیاوی آئینہ میں انسان اپنی ظاہری صورت دیکھ سکتا ہے لیکن وہ آئینہ جس میں انسان کو اپنی باطنی صورت دکھائی دے بہت قیمتی اور کمیاب ہوتا ہے۔ یعنی اہل صفا کا مقام حاصل کرنے کیلئے بہت زیادہ مجاہدے اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔

گفتم اے دل آئینہ کلّی بجو　　ڈھونڈ اے دل اک مکمل آئینہ
رَو بدریا کار برناید ز جُو　　کیا ملے گا نہر سے دریا پہ جا

[۲]

دیدۂ تو چوں دلم را دیدہ شد　　جب ہوا دل نور تیرے نور سے
صد دلِ نا دیدہ غرق دیدہ شد　　سینکڑوں بے نور دل نوری ہوئے

حرف راز

چوں ندارد کس غمِ تو ممتحن　　جب نہیں کوئی بھی تیرا غمگسار
خویش کارِ خویش باید ساختن　　بار غم خود ہی اٹھا اے ہوشیار

آدمی خوارند اغلب مرداں　　اہل دنیا میں ہیں اکثر خون خوار
از سلام اعلیک شاں کم جو اماں　　ان کی باتوں پر نہ کرنا اعتبار

خانۂ دیو ست دلہائے ہمہ　　ان کے دل آباد ہیں شیطان سے
کم پذیر از دیو مردم دَمدمہ　　دھوکا مت کھانا کہیں شیطان سے

از دمِ دیو آنچہ اُو لاحول خورد　　جس کو بھی شیطان دھوکا دے گیا
ہمچو آں خَر در سر آید در نبرد　　زندگی میں مثلِ خَر اوندھا گرا

عشوہ ہائے یار بد نیہوش ہیں　　فتنہ گر یاروں کی باتوں میں نہ آ
دام بیں ایمن مرو تو بر زمیں　　دیکھ کر چل جال ہے پھیلا ہوا

[۱] نیم پختہ رہنماؤں کی بجائے کیوں نہ مرشد کامل کی جستجو کی جائے اور اس کی صحبت سے فیض حاصل کیا جائے۔ بلاشبہ نہر کے مقابلے میں دریا زیادہ پر آب اور وسیع ہوتا ہے۔

[۲] جب میرا دل تیرے نور سے منور ہو گیا تو گویا نور معرفت سے محروم سینکڑوں دل پر نور ہو گئے۔

۱

دم دہد گوید ترا اے جانِ دوست
تا چو قصابے کشد از گوشت پوست

گو بظاہر جان جاں کہتے ہیں دوست
ہیں قصائی کھینچ لیں گے تیرا پوست

۲

ہمچو شیراں صیدکن را خویش کن
ترک عشوہ اجنبی و خویش کن

شیر بن اپنے لیے خود صید لا
غیر کے یا اپنے دھوکے میں نہ آ

ہمچو خادم داں مراعاتِ خساں
بیکسی بہتر ز عشوہ ناکساں

ہیچ ہے کم ظرف کا احسان بھی
اس کی خوشنودی سے بہتر بیکسی

۳

در زمینِ مرداں خانہ مکن
کار خود کن کار بیگانہ مکن

غیر کا احسان لینا چھوڑ دے
کام اپنا کر پرایا چھوڑ دے

۴

کیست بیگانہ تن خاکی تو
کز برائے اوست غمناکی تو

ہے پرایا یہ تن خاکی ترا
بھول جا تو اس کے غم کو بھول جا

۵

تا تو تن را چرب و شیریں می دہی
جوہر جاں را نہ بینی فربہی

تو کرے گا تن کی جتنی دیکھ بھال
ہو گی تیری روح اتنی خستہ حال

۱ فلاح ونجات کیلئے جہد وتقویٰ سے کام لینا ہوگا۔ غیر پر بھروسہ کرنا یا کسی قسم کی خود فریبی میں مبتلا ہونا مناسب نہیں۔

۲ کسی کم ظرف کا احسان لینے سے بہتر ہے کہ انسان بیکسی اور مشکلات برداشت کرلے اس لئے کہ کم ظرف انسان صحیح رہنمائی کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

۳ کوئی مقام ومرتبہ یا منزل حاصل کرنے کیلئے ذاتی جدوجہد ضروری ہے۔

۴ یہ تن خاکی بھی تیرا اپنا نہیں بالآخر تیرا ساتھ چھوڑ دے گا اور اپنی اصل یعنی خاک سے جا ملے گا۔ اس لئے اس کی خاطر اس کے خالق کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۵ انسان تن کی پرورش کیلئے جتنی مشقت کرے گا اور خواہشات دنیاوی کیلئے جتنی محنت کرے گا اس کی توجہ روحانی معاملات پر اتنی ہی کم ہوگی۔

۱

گر میانِ مشک تن را جا شود — تن مہک میں غرق تھا سب زندگی روز

روزِ مردن گندِ اُو پیدا شوند — موت آئی تو مہک جاتی رہی

۲

مشک را برتن مزن بردل بمال — چھوڑ تن کو مشک سے دل کو نکھار

مشک چہ بود نامِ پاکِ ذوالجلال — مشک کیا ہے ذکر و یاد کردگار

۳

آں منافق مُشک برتن می نہد — جب منافق مشک کو تن پر لگائے

روح را در قعرِ گلخن می مہد — روح کو دوزخ کا وہ ایندھن بنائے

۴

بَرزباں نامِ حق و درِ جانِ اُو — گو خدا کا نام ہے وردِ زباں

گندہا از کُفرِ بے ایمانِ اُو — روح میں ہیں کفر کی ناپاکیاں

طیّبات آمد برائے طیّبیں — پاک چیزیں پاکبازوں کیلئے

لِلخَبیثات الخَبیثیں ست ہیں — اور بری چیزیں بروں کے واسطے

تلخ با تلخاں یقیں ملحق شود — تلخ تلخوں سے بہم ہوجائے ہیں

کے دم باطل قرینِ حق شود — حق و باطل کب بھلا مل پائے ہیں

۱ انسان کا تن جو ساری زندگی آرام و آسائش کا عادی رہا جب موت آئی تو سب کچھ چھوٹ گیا۔ ۲ مولانا فرماتے ہیں کہ تن کی پرورش کو چھوڑ کر یادِ الٰہی کی مہک سے دل کو پر بہار رکھنا۔ ۳ جب کوئی منافق انسان ریاکاری کیلئے یادِ الٰہی اور ذکرِ خدا میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ثواب کی بجائے عذاب حاصل کرتا ہے۔ ۴ اگرچہ منافق کی زبان پر ہمہ وقت ذکرِ خدا رہتا ہے لیکن یہ دکھاوے کیلئے ہے۔ در حقیقت اس کا دل یادِ خدا کی بجائے دنیاوی خیالات سے لبریز ہوتا ہے۔ ۵ برے بروں کے ساتھ مل سکتے ہیں اس لئے کہ ان کی خاصیتیں ایک جیسی ہیں لیکن حق و باطل جو متضاد صفات ہیں ان کا ایک ساتھ رہنا محال ہے۔

اے خدائے ذوالجلال

یَا اِلٰہی شُکرَکَ اَبصَارُنَا　　اے خدا مستی میں غلطاں ہے نظر
فَاعفُ عَنَّا اَثقَلَتُ اَو زَارُنَا　　ہم گناہوں میں دبے ہیں معاف کر

یَا خَفِیًا قَد مَلَاتَ الخَافِقِین　　تو نہاں قدرت تری ہر سو عیاں
قَد عَلَوتَ فَوقَ نُورِ المُشرِقَین　　نور تیرا سب سے بڑھ کر ضوفشاں

اَنتَ سِرٌ کَاشِفٌ اَسرَارَنَا　　راز بھی تو کاشفِ اسرار بھی
اَنتَ فَجرٌ مُفجِرٌ اَنھَارَنَا　　تجھ سے روشن صبح، رواں انہار بھی

یَا خَفِیَّ الذَّاتِ مَحسُوسَ العَطَا　　تو خفی ظاہر ہیں تیرے التفات
اَنتَ کَالمَاءِ وَ نَحنُ کَالرَّحَا　　تو ہے پانی ہم ہیں پن چکی کے پاٹ

اَنتَ کَالرِّیحِ وَ نَحنُ کَالغُبَار　　تو ہوا ہے اور ہم گرد و غبار
تَختَفِی الرِّیحُ و غُبرَاہ جِہَار　　وہ ہے غائب اور یہ ہے آشکار

۱

تو بہاری ما چو باغ سبز و خوش　　تو بہار جاوداں ہم گلستاں
او نہان و آشکارا بخشش　　وہ نہاں اس کی عطا سب پر عیاں

۱ حدیث شریف میں ہے "تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذاتہ" یعنی اس کی عطا کردہ نعمتوں پر غور کیا کرو اس کی ذات کے بارے میں غور نہ کرو۔ وہ نہاں ہے او راس کی نعمتیں عیاں۔

۱

تو چو جانے ما مثالِ دست و پا	تو ہے جاں اور ہم ہیں جیسے دست و پا
قبض و بسطِ دست از جاں شد روا	جاں کے دم سے ہی چلن ہے ہاتھ کا
تو چو عقلی ماں مثالِ ایں زباں	عقل ہے تو اور ہم مثلِ زباں
ایں زبانِ از عقل دارد ایں بیاں	عقل ہی سے ہیں زباں کے سب بیاں

۲

تو مثالِ شادی و ما خندہ ایم	تو خوشی ہے اور ہم اس کا اثر
کہ نتیجہ شادیِ فرخندہ ایم	ہم خوشی کی برکتوں کا ہیں ثمر
جنبشِ ما ہردمے خود شاہد ست	زندگی کے زیر و بم اس کے گواہ
کو گواہ ذوالجلالِ سرمد ست	قائم و دائم کی عظمت کے گواہ

۳

اے بروں از وہم و قال وقیلِ من	تو کہ ہے وہم و گماں سے دور تر
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من	خاک میرے سر پہ اور تمثیل پر

۴

بندہ نشکیبد ز تصویرِ خوشت	وہ تصور سے سکوں پائے کہاں
ہر دمے گوید کہ جانم مَفرشت	جو کہے ہو فرشِ راہ یہ میری جاں

۵

ہمچو آں چوپاں کہ می گفت اے خدا	اُس گڈریے کی طرح جس نے کہا
پیشِ چوپانِ محبّ خود بیا	اس محبت کے سامنے آ اے خدا

۱ روح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں جو روح کی بدولت متحرک ہوتے ہیں ظاہر ہیں اسی طرح ذات ایزدی نظر نہیں آتی لیکن ہم جو دکھائی دیتے ہیں اسی کی وجہ سے متحرک ہیں۔ ۲ جس طرح مسکراہٹ خوشی کا نتیجہ ہوتی ہے جو دکھائی دیتی ہے اور خوشی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح ہم سب ذات حق کی شان کے مظہر ہیں۔ ۳ ذات باری وہم و گماں سے بالاتر ہے لہٰذا اس کی مثال دینا کار لاحاصل ہے۔ ۴ تاہم انسان محض تصور پر اکتفا نہیں کرتا اور مزید وضاحت چاہتا ہے۔ جس کے تجسس کی تشفی کیلئے عملی زندگی کی مثالیں دینا ایک مجبوری ہے۔ ۵ یہ اشارہ اس گڈریے کی طرف ہے جس نے فرط محبت سے ذات باری کے حضور عرض کیا کہ کون ہوگا جو تمہارے سر کے بالوں سے جوئیں نکالتا ہوگا اور کون ہوگا جو تمہارے پھٹے ہوئے کپڑے اور جوتے سیتا ہوگا۔ اس لئے اے خدا میرے پاس آ کہ میں جو تیرا چاہنے والا ہوں یہ سب کچھ کروں۔

تا شپش جویم من از پیراہنت   تا کہ کپڑوں سے ترے جوئیں چنوں
چارقت دوزم بوسم دامنت   چوم لوں دامن ترا جوتے سیوں

کس نبودش در ہوا و عشق جفت   عاشقی میں کوئی اس جیسا نہ تھا
لیک قاصر بود ار تسبیح و گفت   گو کہ ذکر و فکر میں کوتاہ تھا

عشق او خرگاہ بر گردوں زدہ   عشق اس کا تھا فلک پر برفشاں
جاں سگِ خرگاہ آں چوپاہ شدہ   جان کتے کی طرح تھی پاسباں

اے خدا

زیرِ دستِ تو سرم را راحتے ست   وجہ راحت ہے ترا دست کرم
دست تو در شکر بخشی آیتے ست   خوان نعمت ہے ترا دست کرم

۳

سایہ خود از سرِ من بر مدار   میرے سر سے اپنا سایہ مت ہٹا
بے قرارم بے قرارم بے قرار   میں ہوں بے حد بے قرار و مبتلا

خوابہا بیزار شد از چشمِ من   نیند سے محروم ہیں آنکھیں مری
در غمت اے رشکِ سرو و یاسمن   رشکِ لالہ دیکھ فرقت میں تری

۱ مولانا فرماتے ہیں کہ گو اس گڈریے کی تعبیر غلط تھی لیکن اس کا عشق بے مثال تھا۔

۲ اس کے عشق کا مقام عالم بالا تھا اور اس کی جان جیسی معزز چیز اس کے مقام عشق کی پاسباں تھی۔

۳ اے خدا میرے سر سے اپنا سایہ نہ ہٹا۔ میں بے قرار ہوں۔ میں اگرچہ نالائق ہوں لیکن ایک نالائق پر کرم کرنے سے تیرے ہاں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

گر نیم لائق چہ باشد گر دے
نا سزائے را پرسی در غمے

گو میں اس لائق نہیں پر کیا ہوا
پوچھ لو گر حال غم نا چیز کا

مرعدم را خود چہ استحقاق بود
کہ بر و لطفت چنیں در ہا کشود

تو نے ہی اپنے کرم سے اے خدا
میں عدم میں تھا مجھے پیدا کیا

۱

خاکِ گر گیں را کرم آسیب کرد
دہ گہر از نورِ حس در جیب کرد

خاک جو ناپاک تھی ارفع ہوئی
جس کے دس پُر نور موتی پا گئی

۲

پنج حسِ ظاہر وپنج نہاں
کہ بشر شد نطفۂ مردہ ازاں

پانچ ظاہر پانچ باطن کے ملے
نطفۂ مردہ سے پھر انسان بنے

توبہ بے توفیقت اے نورِ بلند
چیست جز بر ریشِ توبہ ریشخد

تیری شفقت ہو تو پھر توبہ مری
پر اثر ہے ورنہ ہے شرمندگی

چونکہ بے تو نیست کارم را نظام
بے تو ہرگز کار کے گردو تمام

تم نہ ہو تو زندگی ہے بے نظام
جز ترے کب ہے مکمل کوئی کام

۳

چوں گریز زانکہ بے تو زندہ نیست
بے خدا وندیت بودِ بندہ نیست

کیسے چھوڑوں تجھ کو تجھ سے ہے نمود
تجھ سے اے آقا ہے بندے کا وجود

۱ اللہ تعالیٰ نے خاک کو دس حواس عطا کیے۔
۲ نطفہ جو بے جان چیز تھا اسے پانچ ظاہری پانچ باطنی حواس بخشے اور اس سے انسان پیدا ہوا۔
۳ اے خدا میں تجھے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تیرے ہی دم سے کاروبارِ حیات چلتا ہے اور زندگی برقرار ہے۔

جانِ من بستاں تو اے جاں را اصول	تو کہ جانِ جاں ہے میری لے لے جاں
زانکہ بے تو گشتہ ام از جاں ملول	تو نہیں تو پھر بلائے جہاں ہے جاں
عاشقم من بر فنِ دیوانگی	اب مجھے دیوانگی سے پیار ہے
سیرم از فرہنگی و فرزانگی	اب کسے ہوش و خرد درکار ہے
۱	
جز کہ تسلیم و رضا کو چارۂ	جز اطاعت اب کوئی چارہ نہیں
در کفِ شیرِ نرے خونخوارۂ	شیر کے پنجے سے چھٹکارا نہیں
۲	
اُو ندارد و خور چوں آفتاب	نیند اور کھانے سے وہ ہے بے نیاز
روحہا را می کند بیخورد و خواب	اور روحیں بھی ہیں ان سے بے نیاز
۳	
کہ بیا من باش یا ہم خوئے من	مجھ میں کھو جا اور بن جا ہم خصال
تا بہ بینی در تجلی روئے من	دیکھ پائے تا کہ تو میرا جمال
ور ندیدی چوں چنیں شیدا شدی	گر نہ دیکھا تھا تو کیوں عاشق ہوئے
خاک بودی طالب اَحیا شدی	خاک تھے تم زیست کے طلب بنے
۴	
گر زبے سویت نداوست اُوخلف	لا مکاں سے گر نہ کچھ پہنچا تو پھر
چشمِ جانت چوں بماندست آں طرف	تیری روح کس چیز کی ہے منتظر

۱ لنگڑے ہرن کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو شیر کے حوالے کر دے۔
۲ وہ یعنی خداوند تعالیٰ خود بے نیاز ہے اس لئے روحوں کو بھی ان سے بے نیاز رکھتا ہے۔
۳ حق تعالیٰ انسان سے فرماتا ہے کہ مجھ میں کھو جا یعنی میرے صفات کو اپنا لے تا کہ تو میرا مشاہدہ کر سکے۔
۴ روح کیونکہ لامکاں سے حاصل ہوتی ہے اس لئے روح کی نظریں اسی طرف لگی رہتی ہیں یعنی روح کو حقیقی سکون دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا فانی ہے اور روح لامکاں کی طرف لافانی۔

۱

گربہ بر سوراخ زاں شد معتکف — منتظر رہتی ہے بلی اُس جگہ
کہ ازاں سوراخ اُوشد معتلف — جس جگہ سے اُس کو ملتی ہے غذا

۲

گربۂ دیگر ہمی گردد بہ بام — دوسری جو چھت پہ ہے محو خرام
کز شکار مرغ اُو یابد طعام — ہیں پرندے اس کا من بھاتا طعام

۳

آں یکے را قبلہ شد جولاہگی — اک کہیں جولاہے پن میں کھو گیا
واں یکے حارس برائے جاہگی — دوسرا دام و درم کا ہوگیا

۴

واں یکے بیکار و رو در لا مکاں — اور اک ہے لا مکاں کو دیکھتا
کہ ازاں سو دادیش تو قوتِ جاں — جس سے تو نے کی اُسے روزی عطا

۵

دیگراں چوں کودکاں ایں روز چند — دوسرے بچوں کی صورت چند روز
تاشب تر حال بازی می کنند — کھیل میں گم آخری دم تک ہنوز

۶

خوابنا کے چوں ز یقظہ می جہد — جاگتا ہے جب بھی کوئی محو خواب
دایۂ وسواس عشوش می دہد — اس کو شیطاں تھپتھپاتا ہے شتاب

رو بخسپ اے جاں کہ بگذاریم ما — اور کہتا ہے کہ سو جا اب بھی
کہ کسے از خواب بجہاند ترا — دیکھئے کیسے جگاتا ہے کوئی

۱ مولانا عملی زندگی سے ایک سادہ سی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح بلی کو جس جگہ سے خوراک ملتی ہے وہ اسی جگہ بیٹھی خوراک کا انتظار کرتی ہے یعنی روح بھی اپنی غذا کیلئے لامکاں کی طرف دیکھتی ہے۔ ۲ دوسری بلی جو چھت پر ٹہل رہی ہے اسے وہیں پر خوراک حاصل ہوجاتی ہے یعنی ہر کسی کو اس کی مقرر کردہ جگہ سے خوراک حاصل ہوتی ہے یہی نظام قدرت ہے۔ ۳ اسی طرح کوئی اپنا رزق جلاہا بن کر کماتا ہے اور کوئی مال و دولت میں گم ہو کر۔ ۴ جسے لامکاں سے روزی حاصل ہوتی ہے اس کی نظریں لامکاں پر لگی رہتی ہیں۔ ۵ جب کہ دنیا داری کے شیدائی حیات چند روزہ کو بچوں کی طرح کھیل کود میں گنوا دیتے ہیں۔ جس طرح بچوں کو کھیل کود میں کسی اور چیز کا خیال نہیں ہوتا اسی طرح ان لوگوں کو بھی دنیاوی مصروفیات میں آخرت کا خیال نہیں رہتا اور یا خدا کو بھلا دیتے ہیں۔ ۶ لیکن اگر کوئی دنیا کی خواب غفلت سے بیدار ہو کر یادِ الٰہی کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے تو شیطان اسے فوراً بہلا پھسلا کر پھر سلا دیتا ہے یعنی پھر دنیاوی لہو ولعب میں مصروف کر دیتا ہے۔

رسوا نہ کر

من دعاہا کردہ ام زیں آرزو　　اس غرض سے کی ہے یا رب ہر دعا
واقعہ ما را نداند غیرِ تو　　تو ہی واقف ہے مرے احوال کا

در دلِ من تو دعا انداختی　　تو نے ہی بخشے ہیں یہ حرف دعا
صد اُمید اندر دلم افراختی　　اور امیدیں بھی کیں دل کو عطا

کور از خلقان طمع دارد زِ جہل　　اندھے ناداں کو ہے انسانوں پہ ناز
من زِ تو کزتست ہر دشوار سہل　　مجھ کو ہے تجھ پر کہ تو ہے کارساز

تو کہ بینائی زِ کورانم مدار　　تم ہو بینا مجھ کو بھی بینا رکھو
دائم برگردِ لطفت اے مدار　　اے کرم والے کرم کرتے رہو

کاے خدا ایں بندہ را رسوا مکن　　تیرا بندہ ہوں مجھے رسوا نہ کر
گر بدم ہم سرّ من پیدا مکُن　　گو بُرا ہوں راز تو افشا نہ کر

[1] وہ انسان جو لوگوں کی امداد پر بھروسہ کرتے ہیں اندھے اور نادان ہیں اس لئے کہ اہل دنیا تو خود اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں ان کی مدد پر بھروسہ کرنا نادانی اور حماقت ہے۔

حدیث شریف:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذاتقرب الناس الیٰ خالقھم باانواع البر فتقرب الیٰ اللّٰہ بالعقل والسر تسبقھم باالدرجات والذالفیٰ عند الناس فی الدنیا و عند اللّٰہ فی الآخرۃ۔

وصیت کردنِ رسول خدا مر علیؓ را (رسولِ خدا کا حضرت علیؓ کو وصیت کرنا)

گفت پیغمبر علیؓ را کاے علیؓ　　شاہ بطحیٰ نے کہا سن اے علیؓ
شیر حقی پہلوانی پُر دلی　　تو ہے شیر حق بہادر مرد جری

لیک بر شیری مکن ہم اِعتمید　　لیک شیری پر نہ کرنا اعتبار
اندر آ در سایۂ نخلِ اُمید　　سایۂ مرشد میں پاؤ گے قرار

ہر کسے گر طاعتے پیش آورند　　دوسرے اپنی عبادت سے اگر
بہر قرب حضرتِ بیچون و چند　　چاہتے ہوں قربت حق کا ثمر

تو تقرب جو بعقل و سرِّ خویش　　عشق و عرفاں ہی سہارا ہو ترا
نے چوایشاں بر کمال و بُرِ خویش　　ناز کیوں نیکی پہ ہو ان کی طرح

تو در آ در سایۂ آں عاقلے　　رہنمائی ایسے مرد حق سے لے
کش نتاند بُرد از راہ ناقلے　　جس پر کوئی بھی نہ غالب آ سکے

بس تقرب جو بدو سوئے الٰہ　　قرب حق کا واسطہ اس کو بنا
سر مپیچ از طاعتے اُو ہیچ گاہ　　اس کی طاعت ہو سدا شیوہ ترا

زانکہ اُو ہر خار را گلشن کند　　گل بنا دیتا ہے ہر کانٹے کو وہ
دیدۂ ہر کور را روشن کند　　بخشتا ہے نور اندھی آنکھ کو

خلقِ اُو اندر زمیں چوں کوہ کاف	وہ زمیں پر مثلِ کوہ سایہ فگن
روحِ اُو سیمرغ عالی طواف	اس کی روح کی زد میں ہے چرخِ کہن
دست گیر و بندۂ خاصِ اللہ	طالبوں پر لطف فرماتا ہے وہ
طالباں را می برد تا پیشگاہ	بارگاہِ حق میں پہنچاتا ہے وہ
گر بگویم تا قیامت نعتِ اُو	گر کروں میں اس کی مدحت تا قیام[1]
ہیچ آں را غایت و مقطع مجو	پھر بھی ہوگی میری کوشش ناتمام
در بشر روپوش گشت است آفتاب	ایک بشر میں مہرِ کامل ہے چھپا
فہم کن واللہ اعلم بالصواب	اس سے واقف ہے فقط ذاتِ خدا
اے علیؓ از جملۂ طاعاتِ راہ	اے علیؓ حق کی اطاعت کے لئے
بر گزیں تو سایۂ خاصِ اِلٰہ	مردِ حق کی رہنمائی چاہئے

[1] قیام کے معنی ہیں اٹھنا یعنی روزِ قیامت جب تمام انسان دوبارہ زندہ ہوں گے۔

ہر کسے در طاعتے بگریختند   ڈھونڈتے ہیں سب اطاعت کی پناہ
خویشتن را مخلصے انگیختند   اور نجات و آشتی کی بارگاہ

تو برو در سایۂ عاقل گریز   ڈھونڈ تو بھی مردِ عرفاں کی پناہ
تا رہی زاں دُشمنِ پنہاں ستیز   ہے یہی شیطان سے بچنے کی راہ

از ہمہ طاعات اینت لائق ست   ہر اطاعت سے ہے یہ محبوب تر
سبق یابی بر ہر آں کو سابق ست   خوب ہے جو ہو گا اس سے خوب تر

[1]
چوں گرفتی پیرہیں تسلیم شو   کہہ دیا مرشد جسے پھر اس کا بن
ہمچو موسیٰ زیرِ حکم خضرؑ رو   مثل موسیٰ سُن خضرؑ کا ہر سخن

صبر کن بر کار خضرؑ اے بے نفاق   خضرؑ کی ہر بات پر سر کو جھکا
تا نہ گوید خضرؑ رو ہذا فراق   وہ کہیں تم نے نہ یہ کہہ دے کہ جا

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن   چاہے کشتی کو ڈبو دے چپ رہو
گرچہ طفلے را کُشد تو غم مکُن   چاہے بچہ مار دے غم مت کرو

[2]
دستِ اُوراحق چودستِ خویش خواند   قولِ حق "ہے ہاتھ اس کا میرا ہاتھ"
تا یَدُ اللہ فَوقَ اَیدِیہِم براند   اور "اس کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ"

[1] ان اشعار میں قرآن حکیم میں بیان کیے گئے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدہ کرنے کے باوجود دورانِ سفر بار بار حضرت خضرؑ سے جو کام رونما ہوتے ہیں ان کی وجہ دریافت فرماتے ہیں۔ چنانچہ تیسری بار ایسا کرنے پر حضرت خضرؑ ان سے رفاقت ختم کر دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جو واقعات دیکھنے میں آئے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رونما ہوئے۔ [2] شجرہ رضوان کے نیچے جب آنحضورﷺ صحابہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت لی تھی اس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے کہ وہ نبی کا ہاتھ نہ تھا بلکہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔

[1]

دستِ حق میراندش زندش کند   دست حق سے مر کے وہ زندہ ہوا
زندہ چہ بود جانِ پائندش کند   زندہ کیا ہے وہ تو پائندہ ہوا

[2]

یار باید راہ تنہا مَرَو   یار کو ہمراہ لے تنہا نہ جا
از سرِ خود اندریں صحرا مشو   پُر خطر یہ دشت ہے تنہا نہ جا

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را بُرید   جس نے بھی یہ راہ تنہا طے کیا
ہم بعونِ ہمت مرداں رسید   مرد کامل سے ہی پایا حوصلہ

[3]

دستِ پیراز غائباں کوتاہ نیست   غائبوں پر بھی عطا کا ہاتھ ہے
دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست   ہاتھ مرشد کا خدا کا ہاتھ ہے

غائباں را چوں نوالہ می دہند   غائبوں پر جس کا ہے اتنا کرم
پیش مہماں تا چہ نعمتہا نہند   پائیں گے پھر ہمنشیں کتنا کرم

کو کسے کہ پیش شہ بندد کمر   وہ جو رہتا ہے سدا شہ کے حضور
با کسے کو ہست از بیرونِ در   اُس سے بہتر ہے کہ جو رہتا ہے دور

[1] حضرت خضرؑ نے جس بچے کو مارا وہ اس کی موت نہ تھی بلکہ اس کی حیات جاودانی تھی۔

[2] مولانا فرماتے ہیں کہ تلاش حق کے پُرخطر سفر میں کسی مرد کامل کو ساتھ لے کر چلو یعنی کسی شیخ کامل کو رہنما بنا۔

[3] مجاہدہ کی تکالیف اٹھائے بغیر تم آئینہ کی طرح پاک اور روشن نہیں بن سکتے۔ آئینہ بھی صیقل کی سختی کو برداشت کر کے روشن ہوتا ہے۔

فرق بسیار ست ناید در حساب   فرق ان کے درمیاں ہے بے حساب
آں ز اہلِ کشف وایں ز اہلِ حجاب   وہ ہیں اہل کشف یہ اہل حجاب

جہد آں کن تا رہے یابی دروں   اہل دل کی بزم میں ڈھونڈو سکوں
ورنہ مانی حلقہ وار از در بروں   مست رہو انجیر در بند کر بروں

[2]
چوں گزیدی پیر نازک دل مباش   پیر کا لازم ہے دل سے احترام
ست دریزندہ چو آب و گل مباش   مت بنو گارے کی صورت نرم و خام

نرم گوید سخت گوید خوش بگیر   سن خوشی سے تلخ و شیریں جو کہے
تا کند بر جملہ میرانت امیر   میر میراں وہ بنا دے گا تجھے

[3]
ور بہر زخمے تو پر کینہ شوی   گر ہوئے ہر دکھ پہ ناخوش تو بھلا
پس کجا بے صیقل آئینہ شوی   کیسے بن پاؤ گے روشن آئینہ

۱ جو مرد کامل کے ساتھ رہتا ہو وہ اہل کشف ہے اور جو دور رہتا ہے علوم الٰہی کا کشف حاصل نہیں ہوتا اس لئے وہ اہل حجاب ہے۔
۲ اپنے مرشد سے وابستگی اور نسبت کو ہمیشہ پختہ رکھنا چاہئے اور کیچڑ کی طرح نرم اور گرنے والا نہیں ہونا چاہئے یعنی اپنی وفاداری کو کمزور ہونے سے بچانا چاہئے۔
۳ مجاہدہ کی تکالیف اٹھائے بغیر تم آئینہ کی طرح پاک اور روشن نہیں بن سکتے آئینہ بھی صیقل کی سختی کو برداشت کر کے روشن ہوتا ہے۔

تفسیر حدیث: مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہ

(جو شخص اللہ کا ہو گیا، اللہ اس کا ہو گیا)

چوں شُدی من کَانَ لِلہ از وَلَہ   ''صدق دل سے جب بھی تو میرا ہوا
من ترا باشم کہ کَان اللہ لَہ   ''میں ہوا تیرا'' ہے فرمان خدا

[1]

کہ تو ئی گویم ترا گاہے منم   دور ہوتا ہے من و تو کا حجاب
ہر چہ گویم آفتابے روشنم   جو بھی کہہ دوں میں ہوں روشن آفتاب

ہر کجا تابم زمشکات دمے   میں جہاں دم بھر کر نور افشاں ہوا
حل شد آنجا مشکلاتے عالمے   مٹ گئے غم اور اندھیرا چھٹ گیا

[2]

ہر کجا تاریکی آمد نا سزا   بے سبب چھائی جہاں بھی تیرگی
از فروغ ما بود شمس الضحیٰ   نور سے میرے فضا روشن ہوئی

ظلمتے را کافتابش برنداشت   جن اندھیروں پر تھا سورج بے اثر
از دمے ما گردو آں ظلمت چو چاشت   میرے دم سے بن گئے نور سحر

[1] اس حدیث شریف کی مزید تشریح کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ اور اللہ بندے کا ہو گیا تو پھر حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایسے بندے کو میں تو کہہ کر پکاروں یا میں کہہ کر پکاروں مقصد میری ذات ہی ہوتی ہے ایسی صورت میں من و تو کا حجاب ختم ہو جاتا ہے اور ذات باری سے قربت پیدا ہو جاتی ہے۔

[2] اس سے پہلے اور اس شعر میں مولانا یادِ الٰہی کی افادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کسی دل میں ذات خداوندی کی تجلی رچ بس جاتی ہے وہاں سے تمام غم و تفکرات مٹ جاتے ہیں۔ تاریکی چھٹ جاتی ہے اور فضا منور ہو جاتی ہے۔ یعنی شمس الضحیٰ چاشت کے وقت کے سورج کو کہتے ہیں (یعنی ایک پہر کا سورج)۔

۱

آدمے را اُو بخویش اَسما نمود حق سے آدم کو ملے سرِّ نہاں
دیگراں از آدم اسما می کشود بن گئی آدم سے دنیا راز داں

۲

آب خواہ از جو بجُو یا از سُبُو چاہے ندی چاہے پیالے سے پیئے
کیں سُبُو را ہم مدد باشد ز جُو منبع تو ندی ہے پانی کے لئے

نور خواہ از مہہ طلب خواہی ز خور روشنی ہو مہر کی یا ماہ کی
نور ماہ ہم ز آفتاب ست اے پسر ماہ میں بھی مہر کی ہے روشنی

۳

گفت طوبیٰ مَن رَانی مصطفیٰ طوبیٰ من رانی ہے قول مصطفیٰ
وَالّذی یُبْصِرُ لِمَن وَجھی یَرَیٰ وَالّذی یُبْصِرُ لِمَن وَجھی یَرَیٰ

۴

چوں چراغے نور شمع را کشید جب دیا شمع سے پُر انوار ہے
ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید دید اس کی شمع کا دیدار ہے

۵

ہم چنیں تا صد چراغ از نقل شُد منتقل جتنے دیوں میں ہو یہ نور
دیدنِ آخر لِقائے اصل بُد آخری لَو اوّلیں ضَو کا ظہور

۱ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جو اسما سکھائے ان کے متعلق ہدایت کی کہ یہ دوسروں کو بھی سکھائیں چنانچہ نسل انسانی کو حضرت آدمؑ سے جو اسرار حاصل ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہی بتائے ہوئے تھے یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہی بالواسطہ حاصل ہوئے۔ ۲ انسان پانی چاہے ندی سے پیئے یا پیالے سے، پانی کا منبع تو وہی ہے جہاں سے پانی ندی میں آتا ہے۔ ۳ حضورﷺ کی حدیث شریف ہے کہ خوشخبری ہے اس کیلئے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ ۴ جب دیئے کی روشنی شمع سے حاصل ہوئی ہے تو پھر دیئے کے نور کو دیکھنا شمع کے نور کو دیکھنے کے مترادف ہے۔ ۵ شمع سے حاصل کیا ہوا نور کتنے ہی دیوں میں منتقل کیوں نہ ہوجائے آخری دیئے کی روشنی بھی شمع کے نور کا عکس ہوتا ہے۔

حدیث مبارک

لَيْسَ لِلْمَاضِيْنَ هَمُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا لَهُمْ حَسْرَتُ الْفَوْتِ

(جانے والوں کو موت کا غم نہیں ہے، ان کو فوت کی حسرت ہے)

[1]

راست فرمود آں سپہدارِ بشر — خوب ہے یہ قولِ شاہِ انس و جاں
کہ ہر آنکہ کرد از دنیا گذر — چھوڑ کر جاتا ہے جو بھی یہ جہاں

[2]

نیستش درد و دریغ و غبنِ موت — اُس کو مرنے کا نہیں ہوتا ملال
بلکہ ہستش صد دریغ از بہرِ فوت — بلکہ بے اعمال جینے کا ملال

لَیس للمَا ضِیْنَ ھَمّ الْمَوت گفت — "غم نہیں مرنے کا" فرمایا "و لے"
لیک شاں با حسرتِ فوت اند جفت — "غم ہے اچھے کام کرنے سے رہے"

[3]

کہ چرا قبلہ نکردم مرگ را — کیوں نہ سمجھا موت کو حاجت روا
مخزنِ ہر دولت و ہر برگ را — جو وسیلہ ہے وصالِ یار کا

قبلہ کردم من ہمہ عمر از حَوَل — زندگی بھر گمراہی میں گم رہے
آں خیالاتے کہ گم شد در اَجَل — ان خیالوں میں جو مرتے ہی مٹے

[1] یہ حدیث قرآن حکیم کی اس آیت کی ترجمان ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کفار مرنے پر افسوس کریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہوجائیگا کہ جسم فانی کا فوت ہوجانا قابلِ افسوس نہیں بلکہ لائقِ تاسف یہ بات ہے کہ انہوں نے بے عمل زندگی گزاری اور آخرت کیلئے کوئی نیکی نہیں کی۔

[2] مرنے والے کو جسم کے بے جان ہوجانے کے افسوس سے زیادہ اس چیز کا غم ہوگا کہ اس نے زندگی میں اچھے اعمال کی طرف توجہ نہیں دی جو سفرِ آخرت میں اس کیلئے زادِ راہ ہوتے۔ [3] مرنے والے کو اس بات کا رنج ہوگا کہ میں نے موت کی تیاری کیوں نہ کی اور اس کو خوش آمدید کہنے کیلئے تیار کیوں نہ ہوا اس لئے کہ موت تو محبوبِ حقیقی سے ملنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

۱

حسرتِ آں مردگاں از مرگ نیست — موت کا ان کو نہیں ہے غم کوئی
زانست کاندر نقشہا کردیم ایست — غم ہے بے مقصد گزاری زندگی

۲

ماندیم ایں کہ ایں نقش ست و کف — یہ نہ دیکھا یہ ہے سب دریا کی جھاگ
کف ز دریا جنبد و یابد علف — جھاگ کو دریا سے ہی لگتے ہیں بھاگ

۳

چونکہ بحر افگند کفہا را بہ بر — جھاگ خشکی پر گری تو کھو گئی
رَو بگورستاں رواں کفہا نگر — دیکھ قبرستاں میں جا کر سو گئی

۴

پس بگو کو جنبش و جولانِ تاں — پھر تری جولانیاں کس کام کی
بحر افگند ست در بحرانِ تاں — جب سمندر ہے تغیر کا ولی

۵

تا بگوید بلب نے بل بحال — جھاگ کہتی ہے زباں حال سے
کہ ز دریا کن نہ از ما ایں سوال — مجھ سے کیوں دریا سے یہ سب پوچھئے

۱ اصل زندگی تو موت کے بعد عالم آخرت ہے۔ دنیاوی چیزیں تو محض بے جان تصاویر ہیں۔ ۲ ہم دنیاوی چیزوں کی سج دھج دیکھ کر یہ بھول گئے کہ ان کی حیثیت دریا پر تیرنے والی جھاگ کی سی ہے جو دریا کی روانی کی وجہ سے رواں دواں رہتی ہے۔ ۳ جھاگ جیسے ہی خشکی پر گرتی ہے وہ بے حرکت ہو کر معدوم ہو جاتی ہے۔ ۴ جب سمندر (ذات حق) ہی تیری موت و حیات پر قادر ہے تو پھر زندگی میں تیری جولانیاں بے کار ہیں۔ ۵ جھاگ کہے گی کہ ہماری ہست و بود تو دریا کی وجہ سے ہے اس لئے ہماری حقیقت حال کے متعلق دریا سے ہی پوچھئے۔ یعنی انسان اپنی زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں خود کچھ کہنے کے قابل نہیں۔ اس اسرار و رموز کے متعلق تو پروردگار عالم ہی سب کچھ جانتا ہے۔

۱

نقش چوں کف کے بجنبد بے زموج　　　جھاگ ہے اک نقشِ رقصاں موج پر
خاک بے بادے کجا آید بہ اوج　　　خاک اڑتی ہے ہوا سے اوج پر

۲

چوں غبارِ نقش دیدی باد بیں　　　جب غبارِ نقش دیکھا باد دیکھ
کف چو دیدی قلزمِ ایجاد بیں　　　جھاگ دیکھی قلزمِ ایجاد دیکھ

۳

ہیں بہ بیں کز تو نظر آید بکار　　　کر نظر پیدا کہ ہوگا کامراں
باقیت شحمے و لحمے پود و تار　　　ورنہ تیرا جسم تو ہے رائیگاں

شحمِ تو در شمعہا نفزود تاب　　　تیری چربی شمع کے قابل نہیں
لحمِ تو مخمور را نامد کباب　　　گوشت سے بھی تیرے کچھ حاصل نہیں

۴

درگداز ایں جملہ تن را دربصر　　　تن کو کردے سر بسر محوِ نظر
در نظر رَو در نظر رو در نظر　　　اے خوشا ہوجائے تو محوِ نظر

۱ نقش یعنی عالم امکاں بحرِ وحدت کی موج کے بغیر کب حرکت میں آسکتا ہے۔عالم امکاں کی حیثیت خاک جیسی ہے جو مشیت ایزدی کی ہوا کے بغیر اڑنے کے قابل نہیں یعنی سب کچھ احکام ایزدی کے تابع ہے۔ ۲ عالم امکاں دیکھا اب نظر توحیدی سے اس ہوا کو دیکھ جو اس غبار کو اوپر اڑاتی ہے۔جھاگ دیکھنے کے بعد اب اس سمندر کو دیکھ جو جھاگ کے وجود کا باعث ہے۔یعنی ذات پروردگار کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر۔ ۳ انسان کا جسم گوشت پوست کا مرکب ہے جو روحانی مقامات حاصل کرنے کے قابل نہیں۔اس مقصد کیلئے چشم بینا کی ضرورت ہے۔جو نورِ حقیقی کو دیکھنے کی تاب لاسکے اور روحانی مدارج طے کرنے میں مددگار ہو۔

۴ نگاہ رسا حاصل کرنے کیلئے مجاہدہ اور ریاضت سے جسم کو تحلیل کردے۔یعنی تمام جسمانی خواہشات پر قابو پا کر اپنے جسم کو پگھلا دے اور نگاہ رسا کیلئے قربان کردے۔یہ تیری خوش نصیبی ہوگی اگر تم چشم بینا اور نگاہ رسا کیلئے کھو جاؤ۔

1

یک نظر دو گز ہمی بیند ز راہ	دیکھتی ہے اک نظر تھوڑی سی راہ
یک نظر دو کون دید و روئے شاہ	اک نظر دونوں جہاں اور روئے شاہ

2

درمیانِ ایں دو فرقِ بیشمار	فرق کس درجہ ہے اس کے درمیاں
سرمہ جو واللہ اَعلَم بالسِّرار	سرمہ ڈھونڈ و ذات حق ہے غیب داں

3

چوں شنیدی شرحِ بحرِ نیستی	سن لی جب بحرِ عدم کی داستاں
کوش دائم تا دریں بحر ایستی	جہد پیہم کر کے رہ جاؤ وہاں
چونکہ اصلِ کار گاہ ایں نیستی ست	ہے عدم ہی کار گاہِ دائمی
کہ خلا و بے نشان ست و تہی ست	جوں خلا ہے بے نشاں ہے اور تہی

4

جملہ استاداں پئے اظہارِ کار	اہل فن اظہارِ فن کے واسطے
نیستی جویند و جائے انکسار	جائے عجز و نیستی ہیں ڈھونڈتے
لا جرم استادِ استاداں صَمَد	ہے مگر استادِ کل و ذات ہی
کار گاہش نیستی و لا بُوَد	کارگہ جس کی عدم اور نیستی
ہر کجا ایں نیستی افزوں ترست	جس جگہ پر ہے فنا بے انتہا
کارِ حق و کار گاہش آں سرست	ہے وہیں استاد کل کی کارگاہ

1 جس نظر کو کمال حاصل نہ ہو وہ محض سطحی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے جبکہ نظر کامل دونوں جہاں اور کون و مکان کے شاہ حقیقی ذات باری کے جلووں سے باریاب ہوتی ہے۔ 2 ان دونوں نگاہوں میں بہت فرق ہے۔ اسلئے اپنی نگاہ کو سدھانے کیلئے عبادت و ریاضت کا سرمہ تلاش کرو حق تعالیٰ جو غیب داں ہے اس سرمہ کی تلاش میں تمہاری رہنمائی فرمائے گا۔ 3 اب مولانا پھر عدم اور فنا کی خوبیوں کا احوال بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم فنا کو اپنانے کی کوشش کرو کیونکہ عدم ہی پروردگار عالم کی ابدی کارگاہ ہے جہاں دست قدرت معدوم کو موجودگی کی صورت دیتی ہے جو بالکل بے نشاں اور خالی ہوتا ہے۔ 4 ہر کاریگر اپنے فن کا کمال دکھانے کیلئے معدوم کو تلاش کرتا ہے تاکہ اسے موجود کی شکل میں ظاہر کر سکے۔ اب اگلے اشعار میں فرماتے ہیں کہ اس فن کا استاد کل ذات پروردگار ہے جو عدم اور فنا کے کارخانے میں ہر لحظہ لاتعداد معدوم کو موجود میں تبدیل کرتا ہے۔

۱

نیستی چوں ہست بالائیں طبق | ہے فنا کا جب بہت بالا مقام
برہمہ بروند درویشاں سبق | کیوں نہ دریشوں کا ہو اعلیٰ مقام

خاصہ درویشے کہ شد بے جسم و مال | کر دیا جس نے فنا سب جسم و مال
کار فقرِ جسم دارد نے سوال | ہے اُسی درویش کو حاصل کمال

۲

سائل آن باشد کہ مالِ او گداخت | وہ ہے سائل جس کا مال و زر لٹے
قانع آن باشد کہ جسمِ خویش باخت | وہ ہے قانع جس کا جسم و جاں مٹے

۳

پس ز درد اکنوں شکایت بر مدار | درد پہنچے تو نہ کر آہ و بقا
کوست سوئے نیست اسپ راہوار | اسپ تازی ہے فنا کی راہ کا

۴

این قدر گفتیم و باقی فکر کن | جو کہا کافی ہے اب تو فکر کر
فکر اگر جامد بُوَد رَو ذکر کن | فکر ساکت ہے تو جا اور ذکر کر

ذکر آرد فکر را در اہتزاز | ذکر سے تحریک میں لا فکر کو
ذکر را خورشیدِ ایں افسردہ ساز | ذکر کی گرمی سے گرما فکر کو

۱ جب فنا کا مقام اس درجہ بلند ہے تو پھر ان درویشوں کا مرتبہ کیوں بلند و بالا نہ ہو جو خود کو فنا ہونے سے پہلے سے فنا کر دیتے ہیں۔

۲ سوال کرنے والا بھکاری وہ ہے جس کا حرص وہوس سے جمع کیا ہوا مال و اسباب لٹ جائے اور وہ اپنے اس حال سے افسردہ ہو جب کہ وہ شخص جس نے اپنے جسم کو یادِ الٰہی میں گھلا دیا اور اس حالت پر صبر و شکر سے کام لیا وہ فقیر نہیں کہلا سکتا۔ ۳ اگر تجھے ذاتِ حق کی جستجو میں درد پہنچے تو اس پر آہ و زاری نہ کر کیونکہ یہ درد فنائی الذات کی منزل تک پہنچنے کیلئے تیز رفتار گھوڑے کی سواری کا درجہ رکھتا ہے۔ ۴ فنا کے موضوع پر میں نے جو کچھ کہا ہے اسے سمجھنے اور اس پر غور و فکر کی کوشش کر۔ یاد رہے غور و فکر کو بیدار کرنے کیلئے ذکر بے حد ضروری ہے جو منجمد فکر کو گرمانے کیلئے وہی کام کرتا ہے جو برف کو پگھلانے کیلئے سورج کرتا ہے۔

۱

اصل خود جذب است لیک اے خواجہ تاش　　ذات حق خود ہے کشش پھر بھی سدا
کارکن موقوفِ آں جذبہ مباش　　ذکر حق کرتے رہو صبح و مسا

۲

زانکہ ترکِ کار چوں نازے بود　　ذکر حق کو چھوڑنا تو ناز ہے
ناز کے در خوردِ جانبازے بود　　ناز کب جانباز کا انداز ہے

۳

نَے قبول اندیش نَے رد اے غلام　　ذکر چاہے رد کرے وہ یا قبول
امر را و نہی را می بیں مدام　　تو بنا امر و نہی کو ہی اصول

۴

مرغِ جذبہ ناگہاں پرّد زِ عُش　　ناگہاں آئے گا پیغام کرم
چوں بدیدی صبح شمع آنگہ بکُش　　شمع کو بے شک بجھا دو صبحدم

جشمہا چوں شد گزارہ نورِ اوست　　جب میسر آگئی چشم رسا
مغزہا می بیند اُو در عین پوست　　ہوگا ہر سو نور حق جلوہ نما

۵

بیند اندر ذرہ خورشید بقا　　ذرے ذرے میں وہ دیکھے مہرِ حق
بیند اندر قطرۂ کُلِ بحر را　　قطرہ قطرہ میں وہ دیکھے بحرِ حق

۱ صرف عبادت اور ذکر سے ذات پاک کا قرب حاصل نہیں ہوتا جب تک اس ذکر و عبادت کی قبولیت کے بعد ذات خداوندی کی جانب سے کشش پیدا نہ ہو لیکن انسان کو عبادت میں مشغول رہنا چاہیے اور کشش الٰہی کے انتظار میں عبادت اور ذکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔
۲ ذکر حق کو ترک کرنا گویا ناز کرنا ہے جو ایک سچے عاشق کو زیب نہیں دیتا۔ ۳ ایک بندے کی حیثیت سے انسان کو ذکر الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے اور اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے کہ اس کی عبدیت کو بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہوا یا نہیں۔ اس لئے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنا ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا چاہیے۔ ۴ جب تو متواتر ذکر الٰہی کرتا رہے گا تو تجھے قرب الٰہی حاصل ہو جائے گا اس طرح جیسے پرندہ اڑان کر اپنے چاہنے والے کے پاس آجاتا ہے جب قرب الٰہی سے زندگی پر نور ہو جائے تو جس طرح صبحدم شمع کو بجھا دیتے ہیں اسی طرح ذات حق میں فنا ہونے کے بعد مجاہدے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ عبادت کی صورت مختلف ہو جاتی ہے۔

اِک بیمار کو نصیحت نبویؐ

گفت پیغمبر مر آں بیماررا　　　یہ کہا احمدؐ نے اِک بیمار سے
ایں بگو کہ سہل کُن دشوار را　　　رب سے کہہ مشکل تری آساں کرے

آتِنَا فِی دَارِ دُنْیَا نَا حَسَن　　　اِس جہاں میں نیک و احسن ہو عطا
آتِنَا فِی دَارِ عُقْبیٰ نَا حَسَن　　　اُس جہاں میں نیک و احسن ہو عطا

۱

راہ را بَر ما چو بُستاں کُن لطیف　　　پر فضا ہو جائے راہ پل صراط
منزلِ ما خود تو باشی اے شریف　　　منزل مقصود ہو تیری ہی ذات

۲

مومناں در حشر گویند اے مَلَک　　　حشر میں پوچھیں گے مومن اے مَلَک
نے کہ دوزخ بود راہِ مشترک　　　کیا جہنم کا ہے رستہ مشترک

۳

مومن و کافر بَرُو یابد گذار　　　کافر و مومن ہیں اِس رہ پہ رواں
ما ندیدم اندر ایں رہ دود و نار　　　پَر نہیں واں نار دوزخ کا دھواں

نک بہشت و بارگاہِ ایمنی　　　پُر سکوں ہے یہ تو جنت کی طرح
پس کجا بود آں گذرگاہِ دَنی　　　ہے کہاں وہ امتحاں کا راستہ

۱ پل صراط جس پر سے مومن اور کافر بھی گزر رہا ہوگا۔

۲ آنحضورؐ کی نصیحت کا ذکر کرنے کے بعد اسی حوالے سے مولانا مقامِ آخرت کا احوال بیان فرماتے ہیں۔

۳ جہنم کے آثار

پس ملک گوید کہ آں روضہ خضر　　سن کے بولیں گے فرشتے جو چمن
کاں فلاں جا دیدہ اید اندر گذر　　راہ میں دیکھا ہے تم نے وہ چمن

[1]

دوزخ آنجاید سیاست گاہِ سخت　　تھی وہیں دوزخ سزاؤں کے لئے
برشما شد باغ و بستاں و درخت　　بن گئی جنت تمہارے واسطے

[2]

چوں شما ایں نفس دوزخ خوئے را　　تھا تمہارا نفس دوزخ خو مگر
آتشی و گبر فتنہ جوئے را　　تھا وہ کافر اور فتنہ جو مگر

جہد ہا کردید تا شد پُر صفا　　زہد سے تو نے مصفا کر دیا
نار را کشتید از بہرِ خدا　　آگ کو ٹھنڈا کیا بہر خدا

[3]

آتشِ شہوت کہ شُعلہ می زدے　　آتش حرص و ہوس بھی بن گئی
سبزۂ تقویٰ شد و نورِ ہدے　　سبزہ تقویٰ ہدا کی روشنی

آتشِ خشم از شما ہم حلم شد　　آگ غصے کی حلیمی میں ڈھلی
ظلمتِ جہل از شما ہم علم شد　　اور جہالت علم کی شمع بنی

آتشِ حرص از شما ایثار شد　　حرص کہ ایثار کی صورت ملی
واں حسد چوں خار بُد گلزار شد　　اور حسد کو گلشن و گلزار کی

۱ آنحضورؐ کی تعلیم کردہ دعا کے اثر سے مومن جب پل صراط پر سے گزریں گے تو دوزخ کا منظر ان کیلئے سبز باغ بن جائیگا۔
۲ جب مومن نفس کی جہنمی صفات کو مجاہدات سے زائل کرے گا تو آخرت میں جہنم کے صفات بھی اس کیلئے تبدیل ہو جائینگے۔
۳ زہد و عبادت اور مجاہدہ کے ذریعہ نفس کی برائیاں بھلائیوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اس کے بعد کے اشعار میں اسی نوعیت کی دوسری تبدیلیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو یاد و ذکر خداوندی سے حاصل ہوتی ہیں۔

[1]

چوں شما ایں جملہ آتش ہائے خویش — اپنی ہر اک آگ کو ٹھنڈا کیا
بہر حق کشتید جملہ پیش پیش — اور یہ سب کچھ کیا بہر خدا

نفسِ ناری را چو باغے ساختید — نفس ناری کو بنایا گلستاں
اندر او تخمِ وفا انداختید — اور وفا کے تخم بھی بوئے وہاں

بلبلانِ ذکر و تسبیح اندرو — کر رہی ہیں بلبلیں ذکر خدا
خوش سرایاں در چمن برطرفِ جو — گلستاں میں نہر پر وہ خوشنوا

[2]

دوزخِ ما نیز در حقِ شما — تیری خاطر بے گماں دوزخ مری
سبزہ گشت و گلشن و برگ و نوا — سبزہ و گلزار و جنت بن گئی

چیست احساں را مکافات اے پسر — جانتے ہو کیا ہے احساں کا صلہ
لطف و احسان و ثواب معتبر — لطف و احساں اور ثوابِ بے بہا

[3]

نے شما گفتید ما قربانیم — ہوں ترا شیدا کہا تھا آپ نے
پیشِ اوصافِ شما ما فانیم — میں ہوں فانی تو ہے ذاتِ پُر صفا

[4]

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم — چاہے مفلس ہیں کہ دیوانے ہیں ہم
مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم — بس اسی ساقی کے متانے ہیں ہم

[1] جب انسان اللہ کے لئے نفس کی برائیوں کو مٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت کی برائیوں سے محفوظ فرما دیتا ہے۔
[2] حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تو نے میری عبادت کو جزو حیات بنا لیا تو میں نے تیرے لئے دوزخ کو جنت بنا دیا جیسا کہ حضرت ابراہیم آگ میں اللہ کا نام لے کر کودے تو وہ گل و گلزار بن گئی۔ [3] گزشتہ اشعار میں عام مومنین سے خطاب تھا اب یہ خطاب عشاق الٰہی سے ہے۔ آئندہ اشعار میں انہی عشاق کے احساسات کا اظہار ہے۔ [4] ذات الٰہی

بر خطِ فرمان او سری می نہیم   ہم کہ ہیں اس ذات کے فرمانگذار
جانِ شیریں را گر و گاں می دہیم   اس کے ہر ارشاد پر ہے جاں نثار
لے

تا خیالِ دوست در اسرارِ ماست   ہے ہمارے دل میں جب تک یادِ یار
چاکریٔ و جاں سپاری کارِ ماست   ہم ہیں اس کے چاکر و خدمت گذار

ہر کجا شمعِ بلا افروختند   اس نے شمع عشق کی روشن جہاں
صد ہزاراں جانِ عاشق سوختند   جل کے خاکستر ہوئے لاکھوں وہاں
لے

اے دل آنجا رو کہ باتو روشن اند   چل وہاں اے دل ہیں اہل دل جہاں
و ز بلاہا مرترا چوں جوشن اند   دیں گے مشکل میں پناہ وہ بے گماں

درمیانِ جاں ترا جا می کنند   جان و دل میں وہ جگہ دیں گے تجھے
تا ترا پُر بادہ چوں جامے کنند   بادۂ عرفاں سے بھر دیں گے تجھے
ﷺ

درمیان جانِ ایشاں خانہ گیر   ان کے جان و دل میں ہو کر جانشیں
در فلک خانہ کن اے بدرِ منیر   ہو فلک پر جا گزیں ماہ مبیں
ﷺ

پیشِ خویشاں باش چوں آوارۂ   ساتھ اپنوں کے رہو گمرہ نہ ہو
بَر مَہِ کامل زن اَر مہ پارۂ   چاند کا حصہ ہو گل سے ہی ملو
ﷺ

جزو را از کل خود پرہیز چیست   جزو کو ہے کُل سے کیوں یہ اجتناب
با مخالف ایں ہمہ آمیز چیست   اور کیوں اغیار سے ہے بے حجاب

لے اب مولانا اہل عشق سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جب تک ہمارے دلوں میں یاد خداوندی ہے ہم اس کے تابع فرماں ہیں۔ ۲ے مولانا فرماتے ہیں کہ جا اور اہل دل کی قربت حاصل کرلے تو آسماں معرفت پر ماہ مبیں بن کر درخشاں ہوگا۔ ۳ے عشاق الٰہی کا ہمنشیں بنو۔ جو چاند کا ٹکڑا ہو ماہ کامل کا حصہ بنو۔ اہل دل کی قربت حاصل کرو تاکہ ان میں جذب ہو کر معرفت کی بلندیوں کو چھو سکو۔ ۴ے اغیار یعنی جو مقام معرفت حاصل نہیں کر سکے ان سے قربت کی بجائے ان کی قربت کیلئے کوشش کرو جو مقام معرفت پر فائز ہیں۔

صلح حدیبیہ، فتح مبیں

وقت بر گشتِ حدیبیہ رسولؐ — جب حدیبیہ سے لوٹے تھے رسولؐ
در تفکر بود غمگین و ملول — فکر مند و غمزدہ تھے اور ملول

۱

ناگہاں اندر حقِ شمع رُسل — تب ملا شمع رسل کو ناگہاں
دولتِ اِنَّا فَتَحْنَا زد دُہل — عرش سے اِنَّا فَتَحْنَا کا بیاں

آمدش پیغام از دولت کہ رو — حق نے فرمایا کہ اٹھو اور چلو
تو ز منع ایں ظفر غمگیں مشو — اپنی ناکامی پہ یوں غمگیں نہ ہو

کاندریں خواری بنقدت فتحہاست — تیری ناکامی میں ہے فتح مبیں
نک فلاں قلعہ فلاں بُقعہ تراست — ہیں تمہارے ہی یہ قلعے اور زمیں

۲

بنگر آخر چونکہ وا گردید تفت — لوٹ کر دونوں قریظہ اور نضیر
بر قریظہ بر نضیر از وے چہ رفت — دیکھ تو کیسے ہوئے دکھ میں اسیر

قلعہا ہم گردِ آں دو بُقعہا — کر لئے تسخیر ان کے سب حصار
شد مسلّم وز غنائم نفعہا — اور ملا مال غنیمت بے شمار

۱ حدیبیہ میں مسلمانوں کی ظاہر ناکامی چونکہ حقیقتاً ان کی مزید تقویت کا باعث تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اسے فتح مبین قرار دیا ہے۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضورؐ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کیساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوئے جب مکہ مکرمہ سے پہلے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا تو کفار مکہ نے انہیں مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی تو آنحضورؐ کفار سے صلح کر کے بغیر عمرہ کئے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ یہ صلح مسلمانوں کیلئے بظاہر شکست تھی لیکن حقیقتاً فتح تھی جیسے کہ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا تھا۔

۲ بنی قریظہ اور بنی النضیر دو یہودی قبیلے تھے مدینہ منورہ کے اطراف میں آباد تھے لیکن مسلمانوں سے معاہدہ شکنی کے باعث آنحضورؐ انہیں بالترتیب ۴ھ اور ۵ھ میں جلا وطن کر چکے تھے جن میں سے کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور ۶ھ میں فتح خندق میں جب خیبر فتح ہوا تو انہیں ذلت آمیز مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا نے اس شعر میں اسی واقعہ کا حوالہ دیا ہے۔

[1]

وَر نباشد آں تو بنگر کایں فریق　　　کچھ نہ ملتا پھر بھی یہ اہل رضا
بر غم و رنج اند مفتون و عشیق　　　ہیں سمجھتے درد کو بھی جانفزا

زہر خواری را چوں شکر می خورند　　　زہر ذلت ہے شکر ان کیلئے
خار غمہا را چوں اُشتر می چرند　　　خار غم ہیں بے اثر ان کے لئے

بہرِ عینِ غم نہ از بہرِ فرج　　　ہے خوشی سے غم انہیں بڑھ کر پسند
ایںا تسافُل پیشِ ایشاں چوں درج　　　یہ تنزل ہے ترقی سے بلند

آنچناں شاد اند اندر قعرِ چاہ　　　ہیں وہ چاہِ غم میں اتنے شادماں
کہ ہمی ترسند از تخت و کلاہ　　　اب نہیں مطلوب شاہی تزک و شاں

در فقیری ہر یکے صد شہر بار　　　ہے فقیری میں ہر اک شاہِ شہاں
در خزانِ فاقہ ہمچو صد بہار　　　صد بہار افزا ہے فاقوں کی خزاں

ہر کجا دلبر بُود خود ہمنشیں　　　ہو جہاں محبوب اپنا ہمنشیں
فوقِ گردون ست نے زیرِ زمیں　　　عرش سے خوشتر ہے وہ فرشِ زمیں

[1] اللہ کے نیک بندے حق تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی شکست اور تکالیف میں بھی فتح اور راحت کے آثار دیکھتے ہیں۔

طالب و مطلوب

۱

متصل نبود سفالِ دو چراغ　　دو دیئے چاہے نہ ہوں یکجا مگر
نور شاں ممزوج باشد در مَساغ　　روشنی ہوتی ہے یکجا پھیل کر

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو　　وصل جُو خود کب ہوا عاشق کبھی
کہ نہ معشوقش بُود جویائے او　　جب تلک طالب نہ ہو معشوق بھی

در دل تو مہرِ حق چوں شد دو تو　　عشق حق ہو جب ترے دل میں سوا
ہست حق را بے گماں مہرے بتو　　بے گماں تو بھی ہے مطلوب خدا

ہیچ بانگِ کف زدن آید بدر　　اک ہتھیلی سے نہیں آتی صدا
از یکے دست تو بے دست دگر　　جب ملے دو ہاتھ تو آئی صدا

۲

تشنہ می نالد کہ اے آبِ گوار　　پیاس میں پیاسے کو پانی کی تلاش
آب ہم نالد کہ کو آں آبخوار　　اور پانی کو ہے پیاسے کی تلاش

۳

جذبِ آب ست ایں عطش درجان ما　　پیاس ہے پانی کے دل کی آرزو
ما از آنِ او و او ہم زانِ ما　　ہم ہیں اس کی وہ ہماری آرزو

۱ جسموں کی جدائی اور دلوں کے اتصال کی مثال کو واضح کرنے کیلئے مولانا فرماتے ہیں کہ دو دیئے الگ الگ جلتے ہیں لیکن ماحول میں ان کی روشنی ایک ہوتی ہے۔ ۲ پیاسے کی پیاس پانی کے اس جذبے کا اثر ہے جو پانی میں پیاس بجھانے کیلئے بیقرار ہوتی ہے اسی لئے وہ مختلف صورتوں میں پیاسے کی تلاش میں رواں دواں رہتا ہے۔ ۳ پانی بھی اسی لئے رواں دواں رہتا ہے کہ اس کی دلی آرزو ہوتی ہے کہ وہ پیاس کو بجھائے۔ پیاس بھی بے چینی کا شکار ہوتی ہے اور پانی کی گردش بھی بے چینی کی علامت۔ دونوں کو ایک دوسرے کی تلاش ہوتی ہے۔

[1]

حق بحکمت در قضا و در قدر　　قادر مطلق کا ہے یہ معجزہ
کردہ ما را عاشقاں ہمدگر　　ایک دوجے کا ہمیں شیدا کیا

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش　　یاں سبھی اجزا بحکم کرد گار
جفت جفت و عاشقان جفتِ خویش　　ساتھ ہیں،سبکو ہے اک دوجے سے پیار

[2]

ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ　　چاہتے ہیں میل سب ہم جنس کا
راست ہمچوں کہربا و برگِ کاہ　　جیسے تنکا گھاس کا اور کربا

آسماں گوید زمیں را مرحبا　　آسماں کا ہے زمیں سے رابطہ
باتو ام چوں آہن و آہن ربا　　جیسے لوہے اور مقناطیس کا

[3]

آسماں مرد و زمیں زن در خرد　　آسماں شوہر ہے اور زن ہے زمیں
ہرچہ او انداخت ایں می پرورد　　آسماں جو کچھ بھی دے پالے زمیں

چوں نماند گرمیش بفرستد اُو　　گر نہ ہو گرمی تو گرمی دے اسے
چوں نماند تری و نم بد ہد اُو　　ہو نمی کم تو نمی بھی دے اسے

برجِ خاکی خاکِ ارضی را مدد　　برجِ خاکی خاک کو امداد دے
برج آبی تریش اندر دہد　　برجِ آبی پانی پہنچائے اسے

[1] جس طرح خلائق وخلوص میں باہمی محبت کا رشتہ ہے اسی طرح کائنات کے مختلف اجزا بھی ایک دوسرے کے لئے کشش رکھتے ہیں۔

[2] کربا ایک پتھر ہے جو گھاس کے تنکے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ [3] آسمان اور زمین میں زن و شوہر کی سی محبت ہے۔ آسمان جو کچھ زمین کے سپرد کرتا ہے زمین اس کی پرورش کرتی ہے۔ آسمان ہی زمین کو گرمی سردی اور نمی پہنچاتا ہے۔

[۱]

برجِ بادی ابر سوئے او برد
تا بخاراتِ و غم را بَر کشد

برج بادی بھیج کر ابر و ہوا
ہے بخارات مخالف کھینچتا

برجِ آتش گرمی خورشید ازو
ہمچو تا بہ سرخ زاتش پشت و رو

برج آتش سے تپاں ہے آفتاب
سرخ ہے وہ پشت ورد سے بے حساب

ہست سرگرداں فلک اندر زمن
ہمچو مرداں گرد مکسب بہرِ زن

آسماں گردش میں کچھ ایسے رہے
جیسے شوہر بہر زن محنت کرے

ویں زمیں کد با نویہا می کند
بَر ولاداتِ و رضاعش می تند

اور زمیں بیگم کی صورت ہر گھڑی
بچے جننے پالنے میں ہے لگی

[۲]

پس زمیں و چرخ را داں ہوشمند
چونکہ کارِ ہوشمنداں می کند

پس زمین و آسماں ہیں ہوشیار
ہوشمندوں کی طرح مصروف کار

[۳]

گر نہ از ہم ایں دو دلبر می مزند
پس چراچوں جفت درہم می خزند

باہمی الفت نہیں تو پھر مدام
کس لئے ہوتے ہیں مدغم صبح و شام

[۴]

بے زمیں کے گل بروید ارغواں
پس چہ زاید ز آب و تابِ آسماں

پھول پتے بے زمیں کھلتے کہاں
کیا اُگاتی آب و تابِ آسماں

۱ ناموافق بخارات۔ ۲ چونکہ زمین اور آسمان بھی ذی حس چیزوں کی طرح عمل کرتے ہیں اس لئے انہیں بھی حساس سمجھنا چاہیے ان دونوں کا عمل اور ردِ عمل قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ ۳ صبح وشام کا نظارہ زمین وآسماں کی باہمی محبت کا عکاس ہے۔

۴ جس طرح عورت کے بغیر مرد بے اولاد رہتا ہے اسی طرح اگر زمین نہ ہوتی تو آسمان کی آب وتاب پیداوار سے محروم ہوتی۔

بہر آں مَیل است در مادہ زنَر   اس لئے مادہ کو نر سے ہے پیار
تا بود تکمیلِ کار ہمدگر   میل سے دونوں کے ہو تکمیلِ کار

۱

شب چنیں با روز اندر اعتناق   اور لگاتی ہے گلے سے دن کو رات
مختلف در صورت امّا اتفاق   مختلف لیکن ہمیشہ ساتھ ساتھ

۲

روز و شب ظاہر دو ضد و دشمن اند   گو بظاہر رات اور دن ہیں جدا
لیک ہر دو یک حقیقت می تنند   اک حقیقت پر ہے دونوں کی بقا

ہر یکے خواہاں دگر را ہمچو خویش   ان کو آپس میں ہے جان و دل سے پیار
از پۓ تکمیلِ فعل و کارِ خویش   آرزو دونوں کی ہے تکمیلِ کار

زانکہ بے شب دخل بنود طبع را   رات آتی ہے تو ملتا ہے قرار
پس چہ اندر خرج آرد روزہا   اور ہو سکتا ہے دن میں کار و بار

۱ نر اور مادہ میں ایک دوسرے کیلئے کشش اس لئے ہے کہ ہر ایک کے کام کی تکمیل دوسرے کے بغیر ممکن نہیں۔
دن اور رات بظاہر مختلف اور متضاد چیزیں ہیں لیکن ان دونوں کی بقا اور شناخت ایک دوسرے کے وجود سے ہی ممکن ہے۔
۲ رات اور دن کا آپس میں رابطہ ہے۔ وہ تکمیل کار کیلئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ہمارا نظام حیات اسی ربط و ضبط سے وابستہ ہے۔

نکوکار

۱

نیکواں راہست میراث از خوشاب — ہے نکو کاروں کا ورثہ آب ناب
آنچہ میراث ست اَوْ رَثْنَا الکِتاب — قولِ حق ہے ثُمّ اَوْ رَثْنَا الکتاب

شد نیازِ طالباں اَز بنگری — آرزو ہے طالب حق کی یہی
شعلہا از گوہرِ پیغمبری — ہو میسر جلوۂ پیغمبری

۲

شعلہ ہا با گوہراں گرداں بُوَد — اولیاء پہ ضَو فشاں نورِ نبیؐ
شعلہ آں جانب رود ہم کاں بُوَد — وہ جہاں ہوں ہے وہاں نور نبیؐ

۳

نورِ روزن گردِ خانہ می دَوَد — گھر میں روزن ہو تو ہر سو روشنی
زانکہ خوَر برجے بہ برجے می رَوَد — برکتیں ہیں مہر عالمتاب کی

۴

ہر کرا با اخترے پیوِ ستگیست — گر کسی انجم سے ہو وابستگی
مَر ورا با اخترے خود ہم تگی ست — ہے اسی کی ہمرہی میں بہتری

طالعش گر زہرہ باشد درطرب — ہو اگر زہرہ سے وابستہ کوئی
میلِ کلّی دارد و عشق و طلب — عیش و عشرت میں کٹے گی زندگی

ور بود مرّیخیِ خوں ریزِ خُو — ہو اگر مریخ کے زیرِ اثر
جنگ و بہتان و خصومت جوید اُو — جنگ وخونریزی میں ہوں گے دن بسر

۱ قرآن پاک میں مذکور ہے ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا (پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو اس کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو ہم نے منتخب کیا) یعنی اعمال صالحہ رکھنے والے اس کتاب کے وارث ہیں۔ ۲ انوار نبوت وہیں ہوں گے جہاں اولیاء اللہ ہوں گے۔ شعلہ ہائے مراد انوار نبوت اور گوہراں سے مراد اولیاء۔ ۳ ازل سے آفتاب نبوت مختلف انبیاء پر ضوفشاں رہا لہٰذا انبیاء کو روشنی ایک ہی جگہ سے حاصل ہوئی۔ اس لئے اصول دین میں سب ایک ہیں۔ ۴ یعنی جو اہل خدا اور نکوکاروں سے وابستہ ہوگا وہی آگے بڑھ کر کسی مقام کو حاصل کر سکے گا۔

۱

اختر انند از ورائے اختراں — ان کے پیچھے ہیں ستارے اور بھی
کاحتراق و نحس نبود انداراں — جو نہیں رنج و نحوست کے ولی

سائراں در آسمانہائے دگر — وہ رواں ہیں دوسرے افلاک پر
غیر ایں ہفت آسمانِ مشتہر — ہیں جو ہفت افلاک سے بھی بالاتر

۲

راسخاں در تابِ انوارِ خدا — اہل حق ہیں پر تو نور خدا
نے بہم پیوستہ نے از ہم جدا — ہیں نہ پیوستہ نہ ہیں باہم جدا

ہر کہ باشد طالعِ اُو زاں نجوم — ان ستاروں سے ہوا وابستہ جو
نفسِ او کفار سوزد در رجوم — بھسم کر دے پھونک سے کفار کو

۳

خشم مریخی نہ باشد خشمِ اُو — تند خو ہو گا نہ وہ مریخ سا
منقلب رَو غالب و مغلوب خو — بلکہ ہو گا عاجز و حاجت روا

نور غالب ایمن از کسف و غَسَق — تیرگی سے اور گہن سے ماورا
در میان اصبعینِ نورِ حق — جیسے روشن ہر زماں نور خدا

حق فشاند آں نور را بر جانہا — حق سے جب انوار کے چھینٹے پڑے
مقبلاں برداشتند دامانہا — اہل حق نے دامن دل بھر لئے

۱ یعنی اولیاء اللہ ایسے ستارے ہیں جن سے فیض و برکت حاصل ہوتی ہے۔ان سے دوسرے ستاروں کی طرح برے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ ۲ ستاروں کے آپس میں ملنے سے جونقائص رونما ہوتے ہیں اولیاء اللہ ان سے بالاتر ہیں اس لئے کہ وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔وہ جدا ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں اس لئے کہ ان کے فیض کا سرچشمہ ایک ہے۔

۳ اولیاء اللہ کی مدد سے غالب ہیں لیکن عجز و انکسار کی وجہ سے بظاہر مغلوب نظر آتے ہیں۔

واں نثارِ نور ہر کو یافتہ — نور حق کا جس نے صدقہ پا لیا
روئے از غیرِ خدا بر تافتہ — غیر حق سے اس کا رشتہ کٹ گیا

۱

ہر کرا دامانِ عشقے نابدہ — عشق کی دولت سے جو محروم ہے
زاں نثارِ نور بے بہرہ شدہ — نور کے صدقہ سے وہ محروم ہے

جودہا را رویہا سوئے کل است — بستگی اجزا کی اپنے کُل سے ہے
بلبلاں را عشق با روئے گل است — بلبلوں کو عشق روئے گل سے ہے

گاؤ را رنگ از بروں و مرد را — بیل کی پہچان رنگ ظاہری
از دروں جو رنگ سرخ و زرد را — اور ہے انساں کی رنگ باطنی

۳

رنگہائے نیک از خُمِّ صفا ست — نیک پر آبِ صفا کا ہے اثر
رنگِ زشتاں از سیاہ آبہ جفاست — زشت پر آبِ سیاہ کا ہے اثر

صِبْغَةَ اللہ نام آں رنگِ لطیف — رنگ ہے اللہ کا رنگ لطیف
لَعْنَةُ اللہ بوئے ایں رنگِ کثیف — اس کی لعنت کا اثر رنگ کثیف

۴

آنچہ از دریا بہ دریا می رود — ایک دریا دوجے دریا سے ملے
از ہماں جا کاید آنجا می رود — پھر وہیں پہنچیں جہاں سے تھے چلے

از سرِ کُہ سیلہائے تیز رو — کوہ سے اُٹھتی ہے سیل تند و تیز
وز تنِ ماجانِ عشق آمیز رو — اور ہمارے تن سے جان عشق ریز

۱ جس دل میں عشقِ حقیقی نہ ہو وہ اللہ کی ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ ۲ جانوروں کو ان کی ظاہری صورت سے پہچانا جاتا ہے جب کہ انسان اپنی خصلتوں سے۔ ۳ نیک انسانوں کے کردار میں اُجلا پن ہوتا ہے جبکہ بُرے انسانوں کے اعمال سیاہ کاری سے متاثر ہوتے ہیں۔ ۴ دریا کا پانی سمندر میں جاتا ہے پھر بخارات بن کر اٹھتا ہے اور بادل بن کر برستا ہے اور پھر دریا بن کر سمندر سے جا ملتا ہے۔ روح انسانی بھی عالم بالا سے آتی ہے اور کچھ وقت دنیا میں رہ کر پھر اصل خویش سے جا ملتی ہے۔ جس طرح پہاڑوں سے تند و تیز سیلاب بالآخر سمندر سے جا ملتا ہے اسی طرح روح بھی ہمارے جسم سے آزاد ہو کر عشقِ حقیقی میں عالم بالا جا کر اپنے اصل سے مل جاتی ہے۔

ظلم

چاہِ مظلم گشت ظلمِ ظالماں
ایں چنیں گفتند جملہ عالماں

ظالموں کا ظلم ہے اندھا کنواں
ہے یہی سب اہل دانش کا بیاں

ہر کہ ظالم تر چہش باہول تر
عدل فرمود ست بد تر را بتر

چاہ ظالم تر کا ہے تاریک تر
حق نے فرمایا ہے بدتر کو بتر

ایکہ تو از ظلم چاہے می کنی
از برائے خویش دامے می تنی

تم کہ کھودے ہو کنواں بیداد سے
بُن رہے ہو جال اپنے واسطے

بر ضعیفاں گر تو ظلمے می کنی
داں کہ اندر قعرِ چاہِ بے بُنی

ظلم کمزوروں پہ گر تو نے کیا
تیری پستی کی نہ ہو گی انتہا

مَع ضعیفاں را تو بے خصمے مداں
از بُنِ اِذَا جَاءَ نصرُ اللہ بخواں

مت سمجھ کمزور کو بے آسرا
غیب سے امداد بھیجے گا خدا

[1]

گر ضعیفے در زمیں خواہد اماں
غُلغُل اُفتد در سپاہ آسماں

جب زمیں پر ناتواں مانگے اماں
مضطرب ہوتے ہیں اہل آسماں

[1] جب زمین پر کوئی مظلوم ظالم کے ظلم سے تنگ آ کر فریاد کرتا ہے اور پناہ مانگتا ہے تو اہل فلک اس کی آہ و بکا سے بے چین ہو جاتے ہیں۔

گر بدندانش گزی پُر خوں کنی　　تو اُسے دانتوں سے گر زخمی کرے
دردِ دندانت بگیرد چوں کُنی　　دردِ دانداں سے بچے گا کس طرح

[1]

اے بسا ظلمے کہ بینی در کساں　　ظلم جو اوروں میں آتا ہے نظر
خوئے تو باشد در ایشاں اے فلاں　　تیری ہی خوئے جفا کا ہے اثر

اندر ایشاں تافتہ ہستیِ تو　　اُن میں ہے تیری ہر اک خصلت عیاں
از نفاق و ظلم و بد مستیِ تو　　یہ نفاق و ظلم اور بد مستیاں

[2]

آں توئی واں زخم بر خود می زنی　　خود ہی عالم خود ہی تو اپنا شکار
بر خود آں دَم تارِ لعنت می تنی　　ہو گیا ہے اپنی لعنت کا شکار

[3]

در خود ایں بد را نمی بینی عیاں　　اپنی خامی پر نہیں تیری نظر
ورنہ دشمن بودۂ خود را بجاں　　خود ہے اپنا دشمنِ جاں اے پسر

چوں بقعرِ خوئے خود اندر رسی　　اپنی خصلت سے ہوئے جب زار و خوار
پس بدانی کز تو بود آں ناکسی　　تجھ پہ ہو گی تیری خامی آشکار

[1] دوسروں میں تجھے جو ظالمانہ روش کا عکس نظر آتا ہے وہ تیری ظالمانہ خو کا عکس العمل ہے۔

[2] ظالم ہمیشہ اپنے ظلم کا خمیازہ اٹھاتا ہے۔

[3] انسان طاقت اور دولت کے نشے میں اپنی برائی کو جاننے سے قاصر رہتا ہے جس کا انجام برا ہوتا ہے لیکن جب وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے تو پھر اسے اپنی برائی نظر آتی ہے۔

قولِ حکیم سنائی

ناز را روئے بباید ہمچو وَرد	پھول سے چہرے پہ اترانا بجا
چوں نداری گرد بدخوئی مگرد	زشتِ رُو کو ناز ہو کس بات کا
	[1]
بشنو ایں پند از حکیمِ غزنوی	سن حکیم غزنوی کا مشورہ
تا بیابی در تنِ کہنہ نوی	جسم کہنہ میں نیا پن آئے گا
ایں رباعی را شنو از جان و دل	اس رباعی کو دل و جاں سے سنو
تا بکل بیروں شوی از آب و گل	تا کہ مشکل سے رہائی پا سکو
پندِ اُو را از دل و جاں گوش کن	غور سے اس کی نصیحت سن مگر
ہوش را جاں ساز و جاں را ہوش کن	ہوش کو جاں اور جاں کو ہوش کر
آں حکیمِ غزنوی شیخ کبیر	وہ حکیمِ غزنوی مردِ صفا
گفتہ است ایں پند نیکو یاد گیر	کہہ گیا جو یاد رکھ اس کو سدا

[1] اگر تم نے حکیم سنائی کے قول پر عمل کیا تو تیرے پرانے جسم میں روحانی تازگی پیدا ہوگی۔ حکیم سنائی کا قول اگلے اشعار میں ہے۔

پیشِ یوسف نازش و خوبی مکن　　　رو برو یوسف کے تم نازاں نہ ہو
جز نیاز و آہِ یعقوبی مکن　　　عجز سے فریاد یعقوبی کرو

۲

در بہاراں کَے شود سرسبز سنگ　　　پتھروں پر ہے کہاں سبزہ اُگا
خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ　　　خاک ہو جا گل کھلیں گے خوشنما

۳

سالہا تُو سنگ بودی دلخراش　　　سالہا تو دل شکن پتھر رہا
آزموں را یک زمانہ خاک باش　　　اک ذرا اب خاک بن کر آزما

۱ یعنی اپنے مطلوب کے سامنے غرور وناز سے کام نہ لو بلکہ عجز و نیاز کو اپناؤ۔
۲ پتھروں پر کہیں بھی سبزہ اور گل بوٹے نہیں اگتے اس لئے یہی مناسب ہے کہ خاک بن جاؤ تا کہ تمہارے اندر سے پھول پیدا ہوں۔
۳ اے انسان تو سالہا سال دل توڑنے والا سخت پتھر بنا رہا اب ذرا خاک بن اور پھر دیکھ تیرے اندر سے کیسے کیسے خوشنما بوٹے رونما ہوتے ہیں اور تیری زندگی کتنی راحت بخش ثابت ہوتی ہے۔

جودوسخا

جود محتاج است و خواہد طالبے   ہے سخاوت کو طلب محتاج کی
ہمچناں کہ توبہ خواہد تائبے   جیسے تائب کو ہے توبہ ڈھونڈتی

جود می جوید گدایان و ضعاف   ہے سخا کو بیکسوں کی جستجو
ہمچو خوباں کائینہ جویند صاف   آئینہ ڈھونڈے ہے جیسے خُو بُرو

1

روئے خوباں ز آئینہ زیبا شود   آئینہ میں روئے زیبا خوب تر
روئے احساں از گدا پیدا شود   جیسے بخشش ہے گدا سے باثمر

2

چوں گدا آئینہ جود ست ہاں   ہے گدا جود و سخا کا آئینہ
دَم بود بر روئے آئینہ زیاں   آئینہ پر پھونکنا ہے ناروا

3

پس ازیں فرمود حق در والضحیٰ   والضحیٰ میں ہے یہ حکم ایزدی
بانگ کم زن اے محمدؐ بر گدا   اہل حاجت کو نہ جھڑکو اے نبیؐ

4

آں یکے جودش گدا آرد پدید   اہل حاجت ہیں کہیں وجہ سخا
وِیں دگر بخشد گدایاں را مزید   اور کہیں ہیں بخششیں بے انتہا

1 جس طرح حسین چہرہ آئینہ میں من وعن نظر آتا ہے اسی طرح سخاوت اور احسان کا آئینہ گدا ہے۔ گدا سے سخی کو حسن عمل کا ثمر حاصل ہوتا ہے۔ 2 گدا سخی کے اعمال کا آئینہ ہے جس طرح پھونک مارنے سے آئینہ دھندلا ہو جاتا ہے اسی طرح گدا بھی جھڑکنے سے رنجیدہ ہوتا ہے، لہٰذا مانگنے والے کو جھڑکنا مناسب نہیں۔ اگلے شعر میں اسی سلسلے میں سورۃ والضحیٰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ 3 سورۃ والضحیٰ میں اللہ تعالیٰ آنحضورؐ سے فرماتے ہیں "سائل کو مت جھڑکو"۔ 4 ایک سخی وہ جس کی سخاوت بھکاری سے نمایاں ہوتی ہے اور دوسرا سخی وہ جو بھکاری کو بن مانگے دوگنا عطا کرتا ہے۔

۵

پس گدایاں آئینہ جودِ حق اند　　ہیں گدا مظہر خدا کے لطف کا
وانکہ باحق اند جود مطلق اند　　حق رسیدہ خود ہیں سر تا پا سخا

۶

وانکہ جز ایں دو بُود خود مردہ است　　جو بھی اِن اوصاف کا حامل نہیں
او بریں درنیست نقشِ پردہ است　　بار گاہِ حق کے وہ قابل نہیں

۵ فقیر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا آئینہ دار ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے انسان سخاوت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ایک فقیر وہ ہے جو دست سوال دراز نہیں کرتا، وہ اللہ کی صفت سخا کا مظہر ہے اور ایک فقیر وہ ہے جس کے دل کو اللہ نے غنی کر دیا وہ جود مطلق ہے اور اللہ کی صفت جود اختیار کر چکا ہے۔

۶ جو کوئی جود و سخا کی ان دو اوصاف سے خالی ہے وہ بارگاہِ حق کے لائق نہیں اس لئے کہ اس کا دست سوال غیر اللہ کے آگے دراز ہوتا ہے۔

مردِ مومن

مومناں آئینہ یک دیگر اند ‏ ‏ ‏ ایک مومن دوسرے کا آئینہ
ایں خبر را از پیمبر آوَرند ‏ ‏ ‏ ہے یہ ارشاد رسولِ مجتبیٰ

۲

پیشِ حشمت داشتی شیشہ کبود ‏ ‏ ‏ جب سیاہ پردہ ہو آنکھوں پر پڑا
زاں سبب عالم کبودت می نمود ‏ ‏ ‏ کیوں نہ سب دنیا نظر آئے سیاہ

گر نہ کوری ایں کبودی داں ز خویش ‏ ‏ ‏ تو نے پیدا کی ہے خود یہ تیرگی
خویش را بد گو مہ گو کس راتو پیش ‏ ‏ ‏ پھر کسی سے کیوں گلہ کیجئے کبھی

۳

مومن اَر یَنظُر بِنُورِ اللہ نبود ‏ ‏ ‏ نورِ حق ہے دیدۂ مومن کا نور
عیب مومن را برہنہ چوں نمود ‏ ‏ ‏ نیک و بد کو دیکھ لیتا ہے ضرور

۴

چونکہ تو یَنظُر بِنَارِ اللہ بُدی ‏ ‏ ‏ تو کہ نارِ اللہ میں تھا مبتلا
نیکوئی را تو ندیدی از بدی ‏ ‏ ‏ نیک و بد کو کس طرح پہچانتا

اندک اندک آب بر آتش بزن ‏ ‏ ‏ آگ کو نیکی کے پانی سے بجھا
تا شُود نارِ تو نور اے بوالحزن ‏ ‏ ‏ آگ بن جائے گی شعلہ نور کا

تو بزن یا رَبَّنا آبِ طہور ‏ ‏ ‏ اے خدا آب کرم برسا کہ یاں
تا شود ایں نارِ عالم جملہ نور ‏ ‏ ‏ ہو سراسر نور یہ نارِ جہاں

۱ حدیث شریف ہے "ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے" یعنی جس طرح ایک شخص آئینہ میں دیکھ کر اپنی اصلاح کرتا ہے اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کو دیکھ کر اپنے افعال واعمال کی اصلاح کرتا ہے۔ ۲ جب تمہاری آنکھوں پر غفلت اور جہالت کی پٹی بندھی ہے تو پھر تمہیں دوسرے شخص کی خوبیاں کب نظر آئیں گی اور تم دوسرے مومن کی خامیوں سے کس طرح سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کر سکو گے۔ ۳ حدیث شریف ہے "اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ" مومن کی فراست سے ڈرتے رہو وہ اللہ کے نور سے تمہارے سارے عیب دیکھتا ہے۔ ۴ جب کوئی شخص نور خدا کی بجائے نا خدا یعنی صفات نفسانیہ کے ذریعے دوسرے کو دیکھتا ہے تو اسے برائی ہی نظر آتی ہے اور وہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتا۔

نماز

فَا تَّقُو النَّارَ الَّتِی اَو قَدْ تُمُو   خود لگائی آگ سے دامن بچا
اِنْتُم فِی الْمَعْصِیَہ اِز دَوْ تُمُو   تو گناہوں میں ہے بڑھتا جا رہا

۱

گفت پیمبرؐ بیک صاحب ریا   اک ریا خو سے پیمبرؐ نے کہا
صَلِّ اِنَّکَ لَم تُصَلِّ یا فَتیٰ   جا نماز مخلصانہ کر ادا

۲

از برائے چارۂ ایں خوفہا   ہے مداوا گمرہی کے خوف کا
آمد اندر ہر نمازے اِھدِنَا   ہر رکعت میں اِھدِنَا کی التجا

کیں نمازم را میامیز اے خدا   اے خدا میری نمازوں کو سدا
با نماز ضالّین اہلِ ریا   گمرہی سے ظاہری پن سے بچا

۱ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رکوع وسجود صحیح طرح ادا کیے بغیر نماز ادا کی اور حضورؐ کی خدمت میں آ کر سلام عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ دوبارہ نماز ادا کرو۔ اس طرح اسے تین بار یہ عمل دہرانا پڑا۔ پھر آنحضورؐ نے اسے نماز ادا کرنے کا صحیح طریقہ بتایا۔ ارکان نماز کو صحیح طریقے سے ادا نہ کرنا ریاکاری تو نہیں لیکن چونکہ اس شخص نے ادائیگی نماز میں آداب نماز کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا لہٰذا مولانا نے اس کی نماز کے عمل کو دکھاوے سے تعبیر کیا۔

۲ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس میں "اھدنا الصراط المستقیم" کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں یعنی "اے خدا ہمیں سیدھا رستہ دکھا" یہ دعا ہمارے دل میں گمرہی کے خوف کی غماز اور ہماری مغفرت کا وسیلہ ہے۔

ادب و بے ادبی

از خدا جوئیم توفیقِ ادب　　حق سے توفیق ادب کی ہے دعا
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب　　بے ادب پر کب ہوا فضل خدا

بے اَدب تنہا نہیں خود را داشت بد　　بے ادب خود بھی تباہ ہوتا ہے اور
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد　　ہر طرف لاتا ہے بربادی کا دور

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم　　جب بھی چھائی رنج و غم کی تیرگی
آں ز بے باکی و گستاخی ست ہم　　اس کا باعث بے ادب کی سرکشی

از ادب پر نور گشت ست ایں فلک　　ہے ادب سے ہی فلک بھی تابناک
وز ادب معصوم و پاک آمد مَلک　　اور ادب سے ہی ملک معصوم و پاک

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق　　بے ادب راہ طریقت کا سدا
گردد اندر وادیٔ حیرت غریق　　حیرت و غم میں رہے گا مبتلا

تعلیمات اسلامی میں بچوں سے پیار اور بڑوں سے ادب کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔
ادب انسان کی طبیعت میں شائستگی اور حسن اخلاق کی عکاسی کرتا ہے۔ بلاشبہ با ادب با نصیب اور بے ادب بے نصیب ہوتا ہے۔
با ادب کے طور طریقوں کی عموی پسندیدگی حاصل ہوئی اور بے ادب کو ہر کوئی ناپسند کرتا ہے۔

[1]

این جَسد خانہ حَسد آمد بداں   جسم انساں ہے حسد کی کار گاہ
کز حَسد آلودہ گردد خانداں   گھر کا گھر ہوتا ہے اس میں مبتلا

[2]

خانمانہا از حَسد گردد خراب   کیسے کیسے گھر کئے اس نے تباہ
بازِ شاہی از حَسد گردد غُراب   بن گیا شہباز بھی مرغِ سیاہ

وَر حَسد گیرد ترا در راہ گلو   جب حسد سے ہو ترا جینا محال
در حَسد ابلیس را باشد غُلو   بے گماں شیطان ہی کا ہے کمال

چوں کُنی با بے حَسد مکر و حَسد   بے حسد سے کر گیا مکرو حسد
زاں حَسد دل را سیاہیہا رسد   دل ترا تیرہ رہے گا تا ابد

خاکِ شو مردانِ حق را زیرِ پا   بندگانِ حق کی خاکِ پا بنو
خاک بر سرکن حَسد را ہمچو ما   اور حسد کو زیرِ خاکِ پا کرو

[1] مولانا فرماتے ہیں کہ حسد ایک باطنی مرض ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور جب یہ مرض دل میں پیدا ہو جائے تو اس کے مضر اثرات سے انسان کے حواس متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے اعمال و اقوال حسد کے منفی اثرات سے زہر آلود ہوتے ہیں اور وہ مثبت و متوازن سوچ سے محروم ہو جاتا ہے۔ [2] حسد انسان کے باطنی خصائل کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ "ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب" یعنی حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو تباہ کر دیتی ہے۔

جب ہوئے بیمار

[1]

زاریِ ما شد دلیلِ اضطرار　　عاجزی اپنی دلیل اضطرار
خجلتِ ما شد دلیلِ اختیار　　شرمساری ہے دلیل اختیار

حسرت و زاری کہ در بیماری است　　وقت بیماری سراپا عاجزی
وقتِ بیماری ہمہ بیداری است　　وقت بیماری سراپا بندگی

آں زماں کہ میشوی بیمار تو　　جب کبھی ہو جائے ہے بیمار تو
می کنی از جزم استغفار تو　　روز و شب کرتا ہے استغفار تو

می نماید بر تو زشتیِ گناہ　　جب ملی تجھ کو گناہوں کی سزا
می کنی نیت کہ باز آیم بَرہ　　قول و پیماں نیک رہنے کا کیا

[2]

پس یقین گشت آنکہ بیماری ترا　　پس ہوا ثابت کہ بیماری تری
می بی بخشد ہوش و بیداری ترا　　ہوش و بیداری ہے تجھ کو بخشی

عہد و پیماں می کنی کہ بعد از ایں　　عہد کرتا ہے خدا سے صبح و شام
جز کہ طاعت کے کنم کارے چنیں　　جز عبادت کے نہ ہوگا کوئی کام

[1] عاجزی ہماری مجبوری کی دلیل اور گناہوں پر شرمندگی ہمارے اختیار کی علامت ہے۔ [2] بیماری کی حالت میں انسان اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے اور انتہائی عجز و انکسار سے وعدہ کرتا ہے کہ شفایاب ہو کر نیک زندگی بسر کریگا لیکن صحت مند ہونے کے بعد وہ پھر دنیاوی خرابیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ بیماری اور مشکلات انسان کو پاکیزہ بنانے کا وسیلہ ہیں۔

1

پس بداں ایں اصل را اے اصل جو — یہ حقیقت جان لے اے راز جو
ہر کرا دردست اور بر دست بُو — جو ہے اہل درد وہ ہے سرخرو

2

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام — اے خدا مجھ کر عطا کر وہ مقام
کاندرو بے حرف می روید کلام — ہو جہاں آزاد لفظوں سے کلام

1 زندگی کی حقیقت کی جستجو کرنیوالے کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس دنیا میں اسی کو عزت و مرتبہ حاصل ہوگا جو صاحب درد ہوگا۔ جس کے دل میں مخلوق خدا کا درد اور جستجوئے حق کی تڑپ ہوگی۔

2 اے خدا مجھے وہ مقام عطا فرما جہاں زبان سے الفاظ ادا کرنے کی بجائے دل سے آواز نکلے اور تیرے حضور پہنچے۔ یہ مقام ان اشرف السالکین کا ہے جو فنائی اللہ ہوتے ہیں اور جن کی ایک نگاہ چور کو ولی اور پتھر کو گوہر بنا دیتی ہے۔

بندۂ ناچیز

پس کجا زارد کجا نالد لئیم　　یہ برے روئیں کہاں تڑپیں کہا
گر تو نپذیری بجز نیک اے کریم　　ہو اگر اچھوں پہ ہی تو مہرباں

سر کجا بنهد ظلومِ شرمسار　　سر جھکائیں کس جگہ یہ شرمسار
جز بدرگاهِ تو اے آمرزگار　　اک ترے در کے سوا اے کردگار

لطفِ شه جاں را جنایت جُو کند　　کی خطا شہ کے کرم کی آس پر
زانکه شه هر زشت رانیکو کند　　وہ کہ جو کرتا ہے بد کو نیک تر

[1]

رُو مکن زشتی کی نیکیهائے ما　　کیوں گناہ کیجئے کہ اپنی نیکیاں
زشت آید پیشِ آں زیبائے ما　　اسکے آگے بے حقیقت بے نشاں

خدمتِ خود را سزا پنداشتی　　تجھ کو اپنی نیکیوں پر ناز تھا
تو لوائے جرم ازاں افراشتی　　اس لئے جرم و خطا کرنے لگا

چوں ترا ذکر و دعا دستور شد　　تو کہ کرتا ہے سدا ذکر و دعا
زاں دعا کر دن دلت مغرور شد　　ہو گیا ہے اس پہ نازاں دل ترا

[2]

هم سخن دیدی تو خود را با خدا　　تجھ کو ہے قرب الٰہی کا گماں
اے بسا کو زیں گماں افتد جدا　　حق سے کر دے گا جدا تیراں گماں

[1] خدا کی رحمت کے بھروسے پر گناہ کرنا مناسب نہیں۔ ہماری نیکیاں بھی اس کے شایان شان نہیں۔

[2] جسے اپنی نیکیوں پر اتنا ناز ہو کر اسے قرب الٰہی کا گمان ہونے لگے تو یہ گمان اللہ سے دوری کا سبب بن جاتا ہے۔

۱

گرچہ با تو شہ نشیند بر زمیں   گر زمیں پر شہ ہو تیرا ہمنشیں
خویشتن بشناس و نیکو تر نشیں   تم ہو کیا یہ بھول مت جانا کہیں

مردِ حق سے نسبت

چوں شدی دور از حضورِ اولیا   جب ہوئے تم اولیا سے دور دور
در حقیقت گشتۂ دور از خدا   ہوگئے ذات خدا سے دور دور

۲

چوں نتیجہ ہجرِ ہمراہاں غم ست   گر تمہیں ہے فرقت یاراں کا غم
کے فراقِ روئے شاہاں زاں کم ست   کم نہیں کچھ دوری پاکاں کا غم

سایۂ شاہاں طلب ہر دم شتاب   سایۂ شہ کی ہو ہر دم آرزو
تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب   تا کہ سورج سے بھی روشن تر ہو تو

رو بخسپ اندر پنا ہے مُقبلے   جا کسی مرد صفا کی لے پناہ
بو کہ آزادت کند صاحبدلے   تا کہ پائے حرص دنیا سے پناہ

گر سفر داری بدیں نیت برو   گر سفر کرنا ہے اس نیت سے کر
در خضر باشد ازیں غافل مشو   ہر جگہ پر وہ رہے پیش نظر

۱ اپنی نیکوکاری کے باعث خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تمہارا شیخ زہد و تقویٰ کے باوجود عجز و انکسار سے کام لیتا ہے تو تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۲ اگر دنیاوی احباب کی جدائی کا غم ہے تو پھر اللہ والوں سے دوری کا غم اس سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

[1]

در بدر می گرد و می رَد گو بگو   در بدر جا اور جا تو کو بکو
جستجو کن جستجو کن جستجو   جستجو کر جستجو کر جستجو

تا توانی ز اولیاء رُو بَر متاب   کچھ بھی ہو تو اولیاء سے منہ نہ موڑ
جہد کن واللّٰہُ اَعلم بالصواب   کم کر اس کا صلہ اللہ پہ چھوڑ

نیت و ارادہ

سوئے مکہ شیخ اُمّت با یزید   بایزیدِ شیخ امت جب ملے
از برائے حج و عمرہ می دوید   سوئے مکہ حج و عمرہ کے لئے

اُو بہر شہرے کہ رفتے از نُخست   وہ سفر میں جس جگہ جاتے وہاں
مَر عزیزانِ خدا را باز جُست   اہل حق کی جستجو کرتے وہاں

گرد می گشتے کہ اندر شہر کیست   ڈھونڈتے پھرتے کہ مل جائے کہیں
کُو بَر ارکانِ بصیرت متّکی ست   ہو جسے اہلِ طریقت پر یقیں

گفت حق اندر سفر ہر جا روی   حکمِ رب ہے تم سفر میں ہر جگہ
باید اوّل طالبِ مردے شوی   سب سے پہلے اہل حق کو ڈھونڈنا

[1] اللہ تعالیٰ کی تلاش میں سختیاں بھی برداشت کرنی پڑیں تو برداشت کرو لیکن اس کی جستجو کرتے رہو کیونکہ جب مالکِ دو جہاں مل گیا تو گویا سب کچھ مل گیا۔

۱

قصد گنجے کن کہ ایں سود و زیاں　　جب خزانہ ہو سفر کا مدعا
در تبع آید تو آں را فرع داں　　اور بھی ملتا ہے اس کے ماسوا

ہر کہ کارد قصدِ گندم باشدش　　جو بھی گندم کاشت کرتا ہے اسے
کاہ خود اندر تبع می آیدش　　ساتھ کچھ بھوسا بھی ملتا ہے اسے

گر بکاری جو نیاید گندمے　　جو سے ہو گندم کی کیونکر آرزو
مردَ مے جُو مردَمے جُو مردَمے　　جستجو کر مرد حق کی جستجو

قصدِ کعبہ کن چو وقتِ حج بُود　　وقت حج تو قصد کعبہ کر وہاں
چونکہ رفتی مکہ ہم دیدہ شوُد　　شہر مکہ دیکھ لے گا بے گماں

قصد در معراج دید دوست بُود　　دید جاناں کو گئے معراج پر
در تبع عرش و ملائک ہم نمود　　آگئے عرش و ملائک بھی نظر

۲

سید الاعمالُ بالنیات گفت　　ہر عمل نیت سے ہے قول نبیؐ
نیت خیرت بسے گلہا شگفت　　کھل اٹھے گُل نیک تھی نیت تری

۳

نیت مومن بود بہ از عمل　　نیت مومن عمل سے خوبتر
ایں چنیں فرمود سلطانِ دُوَل　　ہے یہی ارشادِ شاہِ بحر و بر

۱　اگر سفر کا مقصد خزانہ یعنی ولی اللہ کی تلاش ہو تو دوران سفر دوسرے نفع اندہی حاصل ہو گئے۔ یعنی سفر کی سختیوں سے صبر و رضا کی خو پیدا ہوگی۔

۲　آنحضورؐ نے فرمایا ہے انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہوگا۔ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی اس عمل کا نتیجہ ہوگا۔

۳　حدیث نبویؐ ہے کہ نیۃ المومن خیر من عملہ و عمل المنافق خیر من نیتہ یعنی مومن کی نیت عمل سے بھی بہتر ہوتی ہے اور منافق کا عمل نیت سے بہتر ہوتا ہے۔ یعنی منافق جو عمل کرتا ہے اسکی نیت فاسد ہوتی ہے۔

نیک و بد کی پہچان

چوں محمدؐ را ابوبکرؓ نکو   دیکھتے ہی مصطفیٰؐ کی نیک خو
دید صدقش گفت ھذا صادق   کہہ اٹھے ابوبکرؓ یہ ہے راست گو

[1]

چوں نہ بد بوجہل از اصحابِ درد   بو جہل جو صاحب ایماں نہ تھا
دید صد شق القمر باور نہ کرو   دیکھ کر سو معجزے بے دیں رہا

درو مندے کش زبام افتاد طشت   طالب حق رہ نہیں سکتا نہاں
زُو نہاں کردیم حق پنہاں نگشت   اس پہ ہیں اسرار حق سارے عیاں

وانکہ اُو جاہل بُد از دردش بعید   رہ گیا جاہل ہی حق نا آشنا
چند بنمودیم و اُو آں را ندید   دیکھ کر سب کچھ بھی حق نا آشنا

آئینہ دل صاف باید تا دَرُو   صاف ہو گر تیرے دل کا آئینہ
وا شناس صورت زشت از نکو   سہل ہوگا نیک و بد کا جانچنا

[1] ابوجہل جس کا دل ایمان کی روشنی سے منور نہ تھا، شق القمر کا معجزہ دیکھ کر بھی آنحضورؐ کی رسالت کا قائل نہ ہوا۔

نیک و بد

۱

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر   تو نہیں ہے پاکبازوں کی نظیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شِیر   گو کہ لکھنے میں ہیں یکساں شیر و شِیر

شِیر آں باشد کہ مرد اور را خُورد   شِیر جو پیتا ہے انساں صاف و پاک
شیر آں باشد کہ مردم را دَرَد   شیر جو کرتا ہے انسانوں کو چاک

۲

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شدہ   ہاں اسی باعث جہاں گمراہ ہوا
کم کسے زبدال حق آگاہ شدہ   کم ہی پہنچانے کسی نے اولیاء

۳

اشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود   وہ شقی تھے چشم بینا کے بغیر
نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود   ایک تھے ان کی نظر میں شر و خیر

۴

ہمسری با انبیاء برداشتند   کی انہوں نے انبیاء سے ہمسری
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند   خود کو سمجھا اولیاء جیسا کوئی

۱ اگرچہ بظاہر شیر اور شِیر یکساں لکھے جاتے ہیں لیکن انکی خصائل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح مرشدِ حقیقی اور مرشد ظاہری میں بھی بہت فرق ہوتا ہے چاہے ان کی ظاہری شکل و صورت یکساں ہوں۔ ۲ ظاہری اولیاء کو دیکھ کر اکثر لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں اس لئے کہ وہ انہیں پہچان نہیں سکتے اور ان پر حقیقی اولیاء کا گمان کر بیٹھتے ہیں۔ ۳ ایسے لوگ اچھے اور برے میں تمیز نہیں کرسکتے۔ اسلئے کہ وہ نیکی اور بدی کو پرکھنے کی قوت نہیں رکھتے۔ ۴ ظاہری اولیاء نے حقیقی اولیاء کی برابری کا دعویٰ کیا اور کہا کہ جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں اسی طرح ہم بھی کھاتے پیتے اور سوتے جاگتے ہیں، لیکن وہ اللہ بھلا چنے اور حقیقی اولیاء کے درمیان واضح فرق کو پہچاننے سے قاصر تھے۔ اب اس نکتہ کی وضاحت کیلئے مولانا آئندہ شعروں میں مختلف مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر	اور کہاں وہ بھی ہیں انسان ہم بھی ہیں
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور	وہ بھی خواب وخور کے خواہاں ہم بھی ہیں
این نہ دانستند ایشاں از عمیٰ	دل کے اندھے تھے سمجھتے کیا بھلا
ہست فرقے درمیاں بے انتہا	فرق ان دونوں میں ہے بے انتہا

۲

ہر دوگوں زنبور خورد از یک محل	اک جگہ سے دو بھڑوں نے رس لیا
لیک زیں شد نیش وزاں دیگر عسَل	اک ہوا پر زہر اک وجہ شفا

۳

ہر دو نے خوردند از یک آبخور	نرسلوں نے ایک سا پانی پیا
آں یکے خالی و آں پُر از شکر	ایک ہے بے جاں تو اک شیریں نوا

۱ مصرع اول اس آیت کریمہ سے ماخذ "قالوا آنتم الا بشر مثلنا" کفار نے حضورؐ سے کہا تم بھی ہماری طرح بشر ہو۔ دوسرے مصرع میں اس آیت کا حوالہ ہے وقالو مالھذ الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق لو ہ انزل لیہ ملک فیکون معہ نذیرا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا کہ اس کے ساتھ ہوتا اور ڈراتا۔

۲ دو بھڑوں نے ایک جیسا پانی پیا لیکن ایک زہریلا بن گیا اور ایک کے پیٹ سے شہد نکلا جو قرآن حکیم کے مطابق انسانوں کی شفا کا باعث ہے۔

۳ ایک ہی کھیت میں دو نرسلوں نے پانی پیا اور پروان چڑھے لیکن ان میں سے ایک نرسل سے بانسری بنی جس نے سننے والوں کا دل موہ لیا اور دوسرا نرسل یہ کمال حاصل نہ کرسکا تو کسی نے اس کی قدر نہ کی۔

۱

این خورد زاید ہمہ بخل و حسد — ایک کھائے تو حسد ہو جلوہ گر
واں خورد زائد ہمہ نورِ اَحد — ایک سے نور احد ہو جلوہ گر

این زمینِ پاک واں شورست وبد — یہ زمیں سرسبز ہے اور وہ سراب
این فرشتہ پاک و آں دیوست ودَد — ایک انسان نیک ہے اور اک خراب

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست — دونوں آتے ہیں ہمیں یکساں نظر
آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست — چاہے پانی تلخ ہو یا خوش اثر

۲

جز کہ صاحب ذوق نشناسد بیاب — تلخ و شریں ذائقہ کے فرق کو
اوشناسد آبِ خوش از شورہ آب — پاسکے گا وہ جو اہلِ ذوق ہو

۱ دو انسان ایک طرح کی خوراک استعمال کرتے ہیں لیکن ایک کے دل میں حسد پیدا ہوتا ہے جبکہ دوسرے کے دل میں عشقِ الٰہی۔
۲ زندگی کی ان متضاد حقیقتوں کو صرف وہی انسان پہچان سکتا ہے جو اہلِ دل اور صاحب نظر ہو۔

قلبِ مومن

[1]

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است   قول نبویؐ ہے کہ ہے ارشادِ رب
من نگنجم ہیچ درِ بالا وپست   پست و بالا میں سما سکتا ہوں کب

در زمین و آسمان و عرش نیز   یہ زمین و آسماں عرش بریں
من نہ گنجم ایں یقیں داں اے عزیز   بے گماں ان میں سما سکتا نہیں

[2]

در دلِ مومن بگنجم اے عجب   کیا عجب مومن کے دل میں بس گیا
گر مرا جوئی دراں دلہا طلب   ڈھونڈنا چاہو تو اس میں ڈھونڈنا

[3]

گفت فادخل فی عبادی تلتقی   جا مرے بندوں کے دل میں اے فقیہہ
جنۃ من رؤیتی یا متقی   پاؤ گے جنت میرے دیدار کی

[4]

عرش با آں نور و پہنائی خویش   بیکراں پر نور عرش با صفا
چوں بدید اُورا بروقت از جائے خویش   اس کا جلوہ دیکھ کر بیخود ہوا

[1] حدیث قدسی ہے "لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولٰکن یسعنی قلب عبدی المؤمن" حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے نہ میری زمیں سما سکتی ہے نہ میرا آسمان، ہاں میرے مومن بندے کا دل سما سکتا ہے۔

[2] حق تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ اگر مجھے ڈھونڈنا چاہو تو قلبِ مومن میں ڈھونڈو۔ [3] قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے کہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی یعنی پس داخل ہوجاؤ ہمارے بندوں میں اور داخل ہوجاؤ ہماری جنت میں" مولانا نے اس آیت کریمہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ مومن کے دل میں سما کر دیدارِ خداوندی کی جنت میں پہنچا جا سکتا ہے۔ یعنی قلبِ مومن میں اللہ تعالیٰ کا دیدار میسر آ سکتا ہے۔ [4] جب عرشِ معلیٰ نے اپنی وسعت اور پرنور ہونے کے باوجود مردِ مومن کا جلوہ دیکھا تو فرطِ حیرت سے بےقرار ہوگیا۔

راز

تا توانی پیشِ کس مکشائے راز　　حتی الامکاں راز کو افشا نہ کر
بر کسے ایں در مکن زنہار باز　　غیر پر اس در کو ہر گز وا نہ کر

چونکہ اسرارت نہاں در دل شود　　راز گر رکھے گا تو دل میں نہاں
آں مرادت زود تر حاصل شود　　ہو گا اپنے مدعا میں کاماں

۱

گفت پیغمبر بر آں کو سرِ نہفت　　راز ہو پنہاں تو ہے قولِ رسول
زود گردو مراد خویش جفت　　جلد ممکن ہے مرادوں کا حصول

۲

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود　　دانہ جب زیرِ زمیں پنہاں ہوا
بعد ازاں سرسبزیِ بستاں شود　　کھل اٹھا اور حاصل بستاں ہوا

۱ شرح بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس شعر میں آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مبارک کی طرف اشارہ ہے من کتم سرہ حصل مرادہ "یعنی جس نے اپنا راز مخفی رکھا اس کی مراد بر آئی۔"

۲ جو دانہ زمین کے نیچے چھپا رہتا ہے وہی نکل کر خوشنما پھول اور پھل بنتا ہے۔

جذب ہر عنصر جنس خود را کہ در ترکیب آدمی محبس شدہ بغیر جنس
(ہر عنصر کا اپنی اس جنس کو کھینچنا جو دوسری جنس کے ساتھ آدمی کے بناؤ میں رچی بسی ہے)

[1]

خاک گوید خاکِ تن را باز گرد	خاک بولی خاک تن سے لوٹ آ
ترکِ جاں گو سوئے ما آہچو گرد	جان کو اب چھوڑ بھی دے لوٹ آ
جنسِ مائی پیش ما اَولیٰ تری	ہم سے ہو، اچھا ہے گر ہم میں رہو
بہ کہ زاں تن وارہی زیں سو پَری	جسم و جاں کو چھوڑ کر ہم میں رہو
گوید آرے لیک من پابستہ اَم	خاک بولی ہاں مگر پابستہ ہوں
گرچہ ہچوں تو ز ہجراں خستہ اَم	ہجر سے تیری طرح دل خستہ ہوں
تری تن را بجویند آبہا	جسم کے پانی سے پانی نے کہا
کائے تری باز آز غربت سوئے ما	ہم سے کیوں ہے دور ہم میں لوٹ آ
گرمیِ تن را ہمی خواند اثیر	جسم کی گرمی سے بولی آگ بھی
کہ ز ناری راہِ اصلِ خویش گیر	مجھ سے مل مجھ سے ہے تو پیدا ہوئی
ہست ہفتاد و دو علت در بَدَن	ہیں بہتر جسم کی بیماریاں
از کششہائے عناصر بے رَسَن	سب عناصر کی کشاکش سے عیاں

[1] ان اشعار میں مولانا جسم انسانی کے اجزائے ترکیبی کی تفصیل بیان کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان سب کا باہمی ارتباط اس وقت تک قائم ہے جب تک دست قدرت کو یہ منظور ہے۔ اگلے اشعار میں وہ روح انسانی کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا تعلق لامکاں سے ہے جب کہ جسم کا تعلق فرش سے ہے اور روح کا تعلق فرش سے ہے اور روح کی پرواز کے بعد یہ جسم اپنی اصل یعنی زمین میں دفن ہوجاتا ہے۔

علت آید تا بدن را بلسلا   جسم بیماری میں ہو جب منتشر
تا عناصر یک دگر را واہلا   سب عناصر کیوں نہ ہوں تب منتشر

چار مرغ اند این عناصر بستہ پا   چاروں عنصر جیسے مرغ بستہ پا
مرگ و رنجوری و علّت پاکشا   موت و بیماری ہی کرتی ہے رہا

جذبہٴ این اصلہا و فرعہا   اصل و عنصر کی کشش سے ہی سدا
ہر دمے رنجے نہد در جسمِ ما   ہر مرض ہوتا ہے تن میں رونما

تا کہ این ترکیبہا را بر دَرد   تا کہ وہ سب بندھنوں کو توڑ دے
مرغِ ہر جزوے باصل خود پَرد   اصل سے ہر ایک عنصر جا ملے

حکمتِ حق مانعِ آید زین عمل   روکتا ہے یہ عمل دست قضا
جمع شاں دارد بصحت تا اجل   موت تک رکھتا ہے ان کو ایک جا

گوید اے اجزا اجل مشہود نیست   موت کب آئے یہ ہے کس کو خبر
پَر زدن پیش از اجل تاں سود نیست   موت سے پہلے تڑپنا بے اثر

چونکہ ہر جزوے بجوید اِرتفاق   جب ہر اک جزو وصل چاہے اصل سے
چوں بود جانِ غریب اندر فراق   روح کا کیا حال ہو گا فصل سے

ل جب جسم کے تمام اجزا اپنے اپنے عنصروں سے ملنے کیلئے بے قرار ہیں تو پھر روح جو جدا سی بھی ہے اصل سے ملنے کیلئے کس قدر بے چین ہوگی۔

متجذب شدن جاں نیز بعالم ارواح

(جان کا بھی عالم ارواح کی طرف کھنچنا)

۱

گوید اے اجزائے پست فرشیم　　روح کہتی ہے کہ اے اجزائے فرش
غربتِ من تلخ تر من عرشیم　　غم سے نالاں ہوں میری منزل ہے عرش

میلِ تن در سبزہ و آبِ رواں　　آب و گل سے شادماں ہے یہ وجود
زاں بود کہ اصل اُو آمد ازاں　　کیوں نہ ہو ان سے ہوئی اس کی نمود

میلِ جاں اندر حیات و درحی ست　　روح کا میلان سوئے آسماں
زانکہ جانِ لامکاں اصلِ وے ست　　اصل ہے اس کی وہ روح الامکاں

میلِ جاں در حکمت ست و درعلوم　　روح مائل علم و عرفاں کی طرف
میلِ تن در باغ و راغ ست و کروم　　جسم مسائل باغ و بستاں کی طرف

میلِ جاں اندر ترقی و شرف　　روح مائل عز و ذیشاں کی طرف
میلِ تن در کسبِ اسبابِ علف　　جسم مائل سازو ساماں کی طرف

۲

میل عشق آں شرف ہم سوئے جاں　　ہے شرف بھی کو بھی تمنا روح کی
زیں یُحب را و یحبوں را بداں　　دونوں جانب ہے محبت ایک سی

۱ ان اشعار میں مولانا روح اور جسم کی ترجیحات کا ذکر کرتے ہیں۔ روح کا جھکاؤ عرفانی عناصر کی طرف ہوتا ہے جب کہ جسم کا میلان دنیاوی اشیاء کی طرف۔ ۲ قرآن پاک میں مومنوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ "یحبھم و یحبونہ" یعنی خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جس طرح روح روحِ اعظم کی طرف مائل ہے اسی طرح روحِ اعظم بھی روح کی طرف مائل ہے۔ شرف (روحِ اعظم)

۱

گر بگویم شرح ایں بیحد شود — گر کروں تفسیر اس کی میں بیاں
مثنوی ہشتاد من کاغذ شود — مثنوی کی انتہا ہو گی کہاں

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بُود — مختصر یہ جو کوئی طالب ہوا
جانِ مطلوبش برو راغب بُود — اس کا خود مطلوب بھی طالب ہوا

۲

آدمی حیواں نباتی و جماد — آدمی شیدا ہے سب مخلوق کا
ہر مرادے عاشقِ ہر بے مراد — ہے یہ عاشق عاشق و معشوق کا

۳

بے مراداں بر مرادے می تنند — عشق قرباں حسن پر پروانہ وار
واں مراداں جذبِ ایشاں می کنند — حسن بھی ہے اس کی خاطر جلوہ بار

۱ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر یہاں میں روح اور روحِ اعظم کے اتصال کی بات کروں تو مثنوی بیحد طویل ہوجائے گی لہٰذا مختصر اِتنا کافی ہے کہ جب محبّ اپنے محبوب کا صدق سے طالب ہو تو محبوب بھی اس کا طالب ہوتا ہے۔

۲ جب انسان مخلوق خدا سے محبت کرتا ہے تو وہ خالق و مخلوق دونوں کا محبّ ہوتا ہے۔

۳ جب عاشق معشوق پر دل وجاں سے نثار رہتا ہے تو معشوق بھی اس کے خلوص اور صدق وصفا کے باعث اسے اپنے جلوہ سے سیراب کرتا ہے۔

فراق

از فراق ایں خاکہا شورہ شود [1] کھیتیاں ویراں ہیں پانی کے بغیر
آب زرد و گندہ و تیرہ شود بد مزہ پانی روانی کے بغیر

بادِ جاں افزا وَخَم گردد وبا ہے ہوائے جاں فزا باد فنا
آتشے خاکسترے گردد ہبا آگ ہے اک ڈھیر اڑتی راکھ کا

[2]

باغ چوں جنت شود دارالمرض خلد جیسا باغ بیماری کا گھر
زرد و یراں برگِ اُو اندر حرض پھول بوٹے زرد و خشک بے ثمر

[3]

عقلِ درّاک از فراقِ دوستاں ہجر میں عقل رسا اے جانِ من
ہمچو تیر اندازِ اِشکستہ کماں جیسے ٹوٹے تیر والا تیر زن

[4]

دوزخ ازفرقت چناں سوزاں شدہ است ہجر میں دوزخ بھی ہے شعلہ دہن
بیداز فرقت چناں لرزاں شدہ است ہجر میں ہے بید بھی لرزاں بدن

[1] ان اشعار میں مولانا جدائی کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے زندگی کے کچھ عام مشاہدات وتجربات بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً پانی کے بغیر کھیت ویران ہوتے ہیں اور روانی کے بغیر پانی گدلا اور بدبودار ہوجاتا ہے۔ ہوا صفائی کے بغیر ناموافق اور وبا بن جاتی ہے جبکہ آگ ایندھن کی جدائی سے راکھ ہوجاتی ہے۔ [2] موسم بہار کی جدائی میں باغ اجڑ کر بیماری کا گھر بن جاتا ہے اوراس کے پتے بیماری سے زرد ہوجاتے ہیں۔ [3] دوست کی جدائی میں عقل اس طرح مبہوت ہوجاتی ہے جس طرح تیر انداز کمان ٹوٹ جانے سے گم ہوجاتا ہے۔
[4] رحمت خداوندی سے دوری کے باعث دوزخ سراپا آگ ہے اور بید کا درخت طاقت کے بغیر لرزاں ہے۔ [5] اگر آتش جدائی کا احوال بیان کرنے کی کوشش کروں تو یہ قیامت تک ختم نہ ہوگا۔ اس لئے اسے بیان کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ جدائی کے عذاب سے بچائے۔

[1]

گر بگویم از فراقِ چوں شرار　　ہجرِ سوزاں کا کہوں گر ماجرا
تا قیامت یک بود از صد ہزار　　تا قیامت کر نہ پاؤں گا ادا

پس ز شرحِ سوزِ او کم زن نفس　　اس کی گرمی کے بیاں کو چھوڑ دو
رَبِّ سَلِّم رَبِّ سَلِّم گوئی و بس　　ربِ سلم ربِ سلم ہی پڑھو

ہر چہ از وے شاد گردی در جہاں　　آج جس شے سے خوشی پاتا ہے تو
از فراقِ او بیندیش آں زماں　　سوچ کل اس سے بچھڑ سکتا ہے تو

[2]

زانچہ گشتی شاد بس کس شاد شد　　کو ہوئے تیری طرح خوش اور بھی
آخر از وے جست و ہمچوں باد شد　　کھو گئی وہ شے ہوا بن کر اڑی

[3]

از تو ہم بجہد تو دل بروئے منہ　　تجھ کو بھی چھوڑے گی اس سے دل نہ جوڑ
پیش ازاں کو بجہد از تُو تو بجہ　　پیش ازاں وہ تجھ کو چھوڑے اس کو چھوڑ

[1] دنیا کی ہر خوشی دینے والی چیز آخر جدائی کا غم دیتی ہے۔

[2] دنیا میں خوشی پہنچانے والی چیزوں نے بہت سوں کو فراق کے غم میں مبتلا کیا ہے۔

[3] پیش ازاں کہ وہ تجھے چھوڑ دیں بہتر ہے کہ تو ان سے قطع تعلق کر لے۔ اس طرح تم فراق کی تکلیف سے محفوظ رہو گے۔

نفی و اثبات

۱

نفیِ آں یک چیز و اثباتش رواست — ہیں بجا اک شے کے اثبات و نفی
چوں جہت شد مختلف نسبت دوتاست — رخ جو بدلا منقسم نسبت ہوئی

۲

مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ از نسبت است — تو نہ پھینکے تو ہی پھینکے ہے درست
نفی و اثبات ہر دو مثبت است — معجزہ نسبت کا ہے پس ہے درست

آں تو افگندی جو بر دستِ تو بود — تو نے ہی پھینکا کہ تیرا ہاتھ تھا
تو نیفگندی کہ قوت حق نہ بود — ہاں مگر قوت تو تھی دادِ خدا

زورِ آدم زادہ را حدّے بُوَد — زورِ انسان کی بھی حد ہے پھر بھلا
مشتِ خاک اشکستِ لشکر کے شود — کیسے مشتِ خاک سے لشکر مِٹا

مشت مشت تست و افگندن زماست — تیری مٹھی تھی پہ پھینکا ہم نے تھا
زیں دو نسبت نفی و اثباتش رواست — پس نفی اثبات دونوں ہیں بجا

۱ ایک ہی چیز کی نفی اور اثبات درست ہے۔ لہٰذا جب جہت بدل گئی تو نسبتیں دو ہو گئیں۔

۲ جنگ بدر میں آنحضورؐ نے ایک مٹھی بھر مٹی دشمنوں کی طرف پھینکی جس سے وہ اندھے ہوئے اور شکست یاب ہوئے۔ چونکہ آنحضورؐ نے اپنے ہاتھ سے وہ مٹی پھینکی تھی تو پھینکنے کی نسبت آنحضورؐ کی طرف کی گئی اور چونکہ پھینکنے سے وہ کام ہوا جو آنحضورؐ کا ذاتی نہیں تھا اس لئے پھینکنے کی آنحضورؐ سے نفی کر دی گئی کیونکہ پھینکنے کی قوت ذات حق نے عطا کی تھی۔

یعر فون الانبیاء اضدادھم جانتے ہیں انبیاء کو مشرکیں
مثل ما لا یشتبہ اولادھم جیسے ہو اولاد پر اپنی یقیں

ہمچو فرزندان خود دانند شاں ان کو وہ پہچانتے ہیں بے گماں
منکراں باصد دلیل و صد نشاں دیکھ کر واضح دلیلیں اور نشاں

لیک از رشک و حسد پنہاں کنند پر حسد سے کچھ بیاں کرتے نہیں
خویشتن را بر ندانم می زنند بے خبر بنتے ہیں کو ہوتے نہیں

تدبیر کار

۱

آں یکے یارے پیمبرؐ را بگفت اک صحابیؓ نے پیمبرؐ سے کہا
کہ منم در بیعہا با غبن جفت باعثِ نقصاں ہے ہر اک معاملہ

فکر ہر کس کو فروشد یا خرد جس سے بھی سودا کیا میں نے کبھی
ہمچو سحر ست و ز راہم می بُرد لوٹتا ہے جیسے جادوگر کوئی

گفت در بیعے کہ ترسی از غرار کی ہدایت خوف گر دھوکے کا ہو
شرط کن سہ روز خود را اختیار تین دن تک فیصلہ کا وقت لو

۲

کہ تانی ہست از رحمٰں یقیں ست گامی حکم ہے رحمٰن کا
ہست تعجیلت ز شیطانِ لعیں جلد بازی کام ہے شیطان کا

پیشِ سگ چوں لقمۂ ناں افگنی پھینک کر کتے کو لقمہ دیکھ لو
بُو کند آنگہ خورد اے معتنی سونگھتا ہے پہلے پھر کھاتا ہے وہ

۱ حدیث شریف میں ہے کہ حبان بن منقذؓ نے آنحضورؐ سے عرض کیا کہ میں کاروباری ہوں اور جب معاملہ کرتا ہوں تو دھوکہ کھاجاتا ہوں۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہہ دیا کرو لاخلابہ ولی الخیار ثلاثۃ ایام یعنی دھوکہ نہ ہو مجھے تین دن تک کا اختیار ہے۔

۲ حدیث شریف میں ہے کہ التانی من الرحمٰن والعجلۃ من الشیطان یعنی توقف کرنا اللہ کی جانب سے اور جلد بازی کرنا شیطان کی جانب سے ہے۔

اُو بہ بینی بُو کند ما با خرد   ناک سے سونگھے ہے وہ ہم عقل سے
رَو بُبویش خوش بعقلِ منتقد   جا پرکھ لے اس کہ پہیم عقل سے

باتَانی گشت موجود از خدا   حق نے کی پیدا زمین و آسماں
تابشش روز ایں زمین و چرخہا   چھ دنوں میں رفتہ رفتہ بے گماں

ورنہ قادر بود کز کُن فیکُون   ورنہ قادر تھا کہ کن فیکون سے
صد زمین و چرخ آوردے بروں   سو زمین و آسماں پیدا کرے

آدمی را اندک آں ہمام   رفتہ رفتہ آدمی کو بھی وہ رب
تاچہل سالش کند مردِ تمام   پختہ کرتا ہے چہل سالہ ہو جب

گرچہ قادر بود کا ندر یک نفس   ورنہ قادر ہے کہ اک لمحہ میں ہی
از عدم پراں کند پنجاہ کس   بخش دے پچاس تن کو زندگی

بود عیسیٰ را دمے کز یک دعا   تھا دمِ عیسیٰ کہ حاصل یہ کمال
بے توقف زندہ کر دے مردہ ہا   زندگی دم بھر میں کر دیتا بحال

خالقِ عیسیٰ نہ بتواند کہ اُو   خالق عیسیٰ کو پھر مشکل ہے کیا
بے توقف مردم آرد تو بتو   انگنت انساں کرے پیدا سدا

ایں تانّی از پے تعلیم تُست   سیکھ لے تو رب سے آہستہ روی
کہ طلب آہستہ باید بے شکست   ہو طلب کم کم مگر پیہم تری

حکایت آں واعظ کہ درآغاز ہر وعظ دعائے خیر برائے مفسدین وظالمین کردے (قصہ اس واعظ کا جو ہر وعظ کے شروع میں مفسدوں اور ظالموں کیلئے دعائے خیر کرتا)

[1]

آں یکے واعظ چو برتخت آمدے — ایک واعظ بر سرِ منبر سدا
قاطعانِ راہ را داعی شدے — ڈاکوؤں کے واسطے کرتا دعا

دست برمی داشت یارب رحم داں — ہاتھ پھیلا کر وہ کرتا التجا
بر بدان و مفسدان و طاغیاں — رحم کر ان مفسدوں پر یا خدا

بر ہمہ تسخر کناں و اہلِ خیر — ان بروں ایذا رسانوں پر سدا
بر ہمہ کافر دلان و اہلِ دیر — کافروں پر بت پرستوں پر سدا

[2]

می نکردے او دعا بر اصفیا — وہ نہ دیتا نیک لوگوں کو دعا
می نکردے جز خبیثاں را دعا — مستحق ہوتے فقط اہلِ خطا

مرو را گفتند کایں معہود نیست — یہ غلط ہے اس سے لوگوں نے کہا
دعوتِ اہلِ ضلالت جود نیست — لائق احساں نہیں گم کردہ راہ

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واعظ ایک تاجر تھا۔ ڈاکوؤں نے اس کا مال لوٹا تو اُس نے خدا سے گریہ وزاری شروع کر دی۔ اس پر اُس کو باقف غیبی نے کہا کہ مال کے لٹ جانے پر اس قدر گریہ وزاری کرتا ہے اور عمر کے برباد ہونے کا کوئی خیال نہیں۔ اس تنبیہ سے یہ تاجر اللہ کی طرف متوجہ ہوگیا اور یوں ڈاکوؤں کی لوٹ مار نے اس کی اصلاح کر دی۔

[2] چونکہ وہ ڈاکو اللہ کو یاد کرنے کا سبب بنے اس لئے اس کے محبوب اور دعا کے مستحق ٹھہرے۔

گفت نیکوئی ازیں ہا دیدہ ام	وہ ہیں نیکی کا سبب اس نے کہا
من دعا شاں زیں سبب بگزیدہ ام	اس لئے دیتا ہوں میں ان کو دعا
خبث و ظلم و جور چنداں ساختند	مجھ پہ توڑے وہ ستم، کی وہ جفا
کہ مرا از شر بخیر انداختند	میں برے کاموں سے تائب ہوگیا
ہر دمے کہ رو بہ دنیا کردمے	جب کبھی کی میں نے دنیا کی طلب
من ز ایشاں زخم و ضربت خوردمے	مجھ پہ وہ کرتے بہت غیض و غضب
کردمے از زخم آں جانب پناہ	کج روی سے مجھ کو مل جاتی پناہ
باز آوردند مے گرگاں براہ	بھیڑیوں کا ظلم دکھلاتا تھا راہ
چوں سبب ساز صلاح من شدند	وہ ہیں جب میری نکو کاری کا راز
پس دعا شاں بر من است اے ہوشمند	کیوں نہ دوں ان کو دعا بندہ نواز
[1] بندہ می نالد بحق از درد و نیش	حق سے جب فریاد کرتا ہے کوئی
صد شکایت می کند از درد خویش	شکوہ بیداد کرتا ہے کوئی
حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد	حق یہ فرماتے ہیں تم اس درد سے
مر ترا لابہ کناں و راست کرد	خوش خصال و نیک و منت کش ہوئے

[1] اس حکایت کے بعد اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب انسان کسی رنج و مصیبت کا اللہ سے شکوہ کرتا ہے تو حق تعالٰی فرماتے ہیں کہ تمہارا شکوہ بے جا ہے۔ یہ مصیبت تو تجھے میری طرف متوجہ کرنے کا باعث بنی ہے۔

این گلہ زاں نعمتے کن کت زند [1]	ایسی نعمت کا کرو شکوہ ضرور
از درما دور و مطرودت کند	جو تمہیں لے جائے میرے در سے دور
[2]	
درحقیقت ہر عدو داروئے تست	تیرا دشمن ہی ترے غم کی دوا
کیمیائے نافع و دلجوئے تست	نفع بخش و دلپذیر و کیمیا
کہ ازو اندر گریزی در خلا	وہ بناتا ہے تجھے خلوت گذار
استعانت جوئی از لطفِ خدا	تو طلب کرتا ہے لطفِ کردگار
در حقیقت دوستانت دشمنند	درحقیقت دوست ہیں دشمن ترے
کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند	ذات حق سے دور کرتے ہیں تجھے
[3]	
ہست حیوانے کہ نامش اُسغر ست	ہاں وہ اک حیواں ہے اسغر نام کا
کو بزخمِ چوب زفت ولمتر ست	مار سے لاٹھی کے ہوتا ہے سوا
تا کہ چوبش میزنی بہ می شود	مار سے لاٹھی کی ہے وہ پھیلتا
اُو زِ زخمِ چوب فربہ می شود	چوٹ سے لاٹھی کی ہوتا ہے سوا

1. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم شکوہ اس نعمت کا کرو جو تمہیں میری یاد سے غافل کردے۔
2. چونکہ تیرا دشمن تجھے دکھ پہنچا کر تجھے اللہ کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنتا ہے اس لئے درحقیقت وہ تیرا دوست اور تیرے لئے کیمیا ہے۔
3. اسغر کو اردو میں "سی" کہتے ہیں۔ اسے اگر لاٹھی ماری جائے تو وہ بدن کو زیادہ مضبوط اور موٹا کرلیتا ہے۔

نفس مومن اُسفرے آمد یقیں	نفس مومن بھی ہے اسفر کی طرح
کو بزخم و رنج زفت ست وسمیں	رنج و غم سہ کر توانا ہو سدا

زیں سبب بر انبیا رنج و شکست	اس لئے ہے انبیاء پر رنج و غم
از ہمہ خلقِ جہاں افزوں ترست	اہل دنیا سے فزوں تر لا جرم

تازِ جانہا جانِ شاں زفت تر	ان کی جاں سب سے قوی تر ہو گئی
کہ ندیدند آں بلا قومے دگر	ان سے بڑھ کر کب ہوا کوئی دکھی

۲

آدمی را پوستِ نا مدبوغ داں	آدمی اک بے دباغت کھال ہے
از رطوبت ہا شدہ زشت وگراں	جو نمی سے بد نما بد حال ہے

تلخ و تیز و مالشِ بسیار دہ	اس کو مالش اور دوا سے صاف کر
تا شود پاک و لطیف و با مزہ	تا کہ ہو وہ خوب سے بھی خوب تر

۳

ور نمی تانی رضا دہ اے عیار	یہ نہ کر پائے تو خوش ہو کر اٹھا
کہ خدا رنجت دہد بے اختیار	بارگاہ حق سے ہو جو غم عطا

۱ مومن کا نفس بھی سختیاں برداشت کر کے قوی ہو جاتا ہے۔

۲ آدمی ایک کچے چمڑہ کی طرح ہے جو فاسد رطوبتوں سے بدنما اور بدبور دار رہتا ہے۔ جسے پاک وصاف کرنے کے لیے صبر آزما مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳ اگر انسان اپنے اختیار سے مجاہدے کی سختی برداشت نہیں کر سکتا تو اُسے آسمانی مشکلات پر صبر کرنا چاہیے۔ یہ مصائب اس کے مجاہدے کا بدل ہوں گے۔

کہ بلائے دوست تطہیر شماست　　ہو گا تو پاکیزہ دردِ یار سے
علم اُو بالائے تدبیر شماست　　علمِ حق بہتر ترے افکار سے

[1]

چوں بلا بیند بلا شیریں شود　　جاں ہو جس سے پاک وہ غم ہے خوشی
خوش شود دارد چو صحت بیں شود　　جو شفا دے وہ دوا ہے زندگی

قربِ حق

[2]

تو توہم می کنی از قرب حق　　تو ہے کیوں قربِ خدا سے بے یقیں
کہ طبق گر دور نبود از طبق　　دور برتن ساز برتن سے نہیں

این نمی بینی کہ قرب اولیاء　　اولیاء کو قرب حق سے ہی ملی
صد کرامت دارد و کارد کیا　　شان بھی شوکت بھی اور اعجاز بھی

[3]

آہن از داؤدؑ موے می شود　　دی وہ قدرت ہاتھ میں داؤدؑ کو
موم در دستت چو آہن می بُود　　موم ہو لوہا تو لوہا موم ہو

[1] جب آسمانی مصائب سے انسان اپنی باطنی صفائی محسوس کرتا ہے تو یہی مصیبت اس کیلئے راحت بن جاتی ہے۔

[2] تو قرب الٰہی کے بارے میں کیوں بے یقینی میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ تو تیری شہ رگ سے بھی قریب ہے اگر باطن صاف ہو تو انسان اس قرب کو محسوس کر سکتا ہے کیا کوئی برتن بنانے والا اپنے برتن سے دور ہو سکتا ہے برتن کا وجود اس کے کمال اور برتن سے اس کی محبت کا مظہر ہے

[3] حضرت داؤدؑ کو جو قرب الٰہی حاصل تھا اس کے باعث ان کے ہاتھ میں لوہا موم بن جاتا تھا اور موم لوہا یہ بات محض خاصیت اور ملکوتیت سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ قرب الٰہی سے پیدا ہوتی ہے

[1]

قرب حق و رزق بر جملہ ست عام　　قرب حق اور رزق حق سب کیلئے
قربِ وحیِ عشق دارند ایں کرام　　اولیاء کی سر بلندی عشق سے

قرب بر انواع باشد اے پدر　　قرب حق کی منزلیں ہیں بے شمار
میزند خورشید ہر کہسار و زر　　سنگ و زر سورج سے یکساں تابدار

[2]

لیک قربے ہست با ز رشید را　　ہاں مگر حاصل ہے زر کو قرب خاص
کہ ازاں نبود خبر مر بید را　　بید کو حاصل نہیں جو قرب خاص

[3]

شاخِ خشک و تر قریبِ آفتاب　　خشک وتر شاخیں ہیں یکساں فیضیاب
آفتاب از ہر دو کے دارد حجاب　　ان سے کب منہ موڑتا ہے آفتاب

[4]

لیک کو آں قربتِ شاخ تری　　شاخ تر کا قرب ہے لیکن جدا
کہ ثمار پختہ ازوے می خوری　　جس سے تو کھاتا ہے میوے خوش مزا

[5]

شاخِ خشک از قربتِ آں آفتاب　　خشک ڈالی قرب سورج سے مگر
غیر زُو تر خشک گشتن گو بیاب　　ہوگئی ہے خشک سے بھی خشک تر

بنگراں کاں شاخِ خشک از قربِ خور　　قرب سے سورج کے شاخِ خشک کی
غیر خشکی می برد چیزے دگر　　دیکھنا خشکی فزوں تر ہو گئی

[1] اللہ تعالیٰ ہر انسان کے قریب ہوتا ہے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اور سبھی اس کی رزاقیت سے بھی مستفید ہوتے ہیں لیکن انبیاء کرام کو عشق الٰہی کی بدولت جو قرب حق حاصل ہوتا ہے عام آدمی اس سے محروم ہوتا ہے تاوقتیکہ وہ بھی یاد حق میں فنا ہوجائے۔ [2] بید کے درخت پر بھی دوسرے درختوں کی طرح سورج کی روشنی پڑتی ہے مگر وہ ان کی طرح پھلدار نہیں ہوتا۔ [3] سورج کی گرمی درخت کی تمام شاخوں پر پڑتی ہے لیکن بعض شاخیں خشک ہوجاتی ہیں اور بعض میں نمی برقرار رہتی ہے یعنی قرب حق کا موقع سب کو ملتا ہے لیکن بعض اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض بے بہرہ رہتے ہیں۔ [4] جو شاخ اپنی نمی برقرار رکھتی ہے اس سے دوسرے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یعنی جو قرب حق سے فیضیاب ہوجاتے ہیں وہ دوسروں کو بھی اس فیض سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔ [5] حق تعالیٰ کے رگ جاں سے قریب تر ہونے کے باوجود جو دور رہا اس کا نقصان دن بدن بڑھتا ہی گیا۔

۱

آنچناں مستے مباش اے بے خرد — اس قدر مستی ہے اے ناداں بری
کہ بعقل آید پشیمانی خورد — ہوش جب آئے تو ہو شرمندگی

۲

بلکہ زاں مستاں کہ چوں مے میخورند — میکشوں کی ایسی مستی کے نثار
عقلہائے پختہ حسرت می برند — ہوشمندی بھی ہو جس سے شرمسار

شکرِ نعمت

شکرِ نعمت خوشتر از نعمت بُود — شکرِ نعمت خوب تر نعمت سے ہے
شکر بارہ کے سوئے نعمت رَوَد — شکر کو آزاد ہر زحمت سے ہے

شکر جانِ نعمت و نعمت چو پوست — شکر نعمت کی جاں نعمت ہے پوست
زانکہ شکر آرد ترا تا کوئے دوست — شکر سے ہی مل سکے گا کوئے دوست

۳

نعمتِ شکرت کند پُر چشم و میر — شکر نعمت سرفرازی کی دلیل
تا کنی صد نعمت ایثارِ فقیر — مال و زر سے بے نیازی کی دلیل

۴

سیر نوشی از طعام و نُقلِ حق — نعمت حق اس قدر پائے گا تو
تا رود از تو شکم خواری و دق — پھر نہ پھیلائے گا دست آرزو

۱ اللہ تعالیٰ کی قربت سے اس قدر بےخبری اچھی نہیں تا کہ روزِ قیامت بارگاہِ ایزدی میں حاضری کے وقت شرمندگی نہ ہو۔ ۲ ایک بے خبری وہ جو اللہ سے دور رکھتی ہے اور ایک بےخبری وہ جو عشقِ خدا سے طاری ہوتی ہے۔ اس بےخودی پر دنیا جہان کی ہوشمندی قربان۔ ۳ اللہ تعالیٰ جس کو شکر کی نعمت عطا کرتا ہے وہ بلند مرتبہ اور بےنیاز بن جاتا ہے۔ وہ دولت کی حاجتمندوں میں تقسیم کرتا ہے اور اسے ایسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں کہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا۔ ۴ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لئن شکرتم لازیدنکم یعنی اگر تم شکر کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے۔

نعمتِ وہاب را شکرے کنید　　شکر کر ہر نعمت حق کا ادا
تا سرِ منحوسِ خود را نشکنید　　تا کہ تجھ سے دور ہوں رنج و بلا

شکر جذبِ نعمتِ اُو فر کند　　شکر نعمت لائے سو سو نعمتیں
کفرِ نعمت شخص را کافر کند　　کفر نعمت لائے سو سو لعنتیں

جانِ عاشق

[1]

عاشقاں را ہر زمانے مُرد نیست　　عاشقوں کو ہر گھڑی آتی ہے موت
مُردنِ عشاق خود یک نوع نیست　　نت نئی صورت میں ڈھلی جاتی ہے موت

اُو دو صد جاں دارد از جانِ ہدیٰ　　حق نے بخشی ہیں اسے جانیں کئی
واں دو صد را می کند ہر دم فدا　　وہ انہیں کرتا ہے قرباں ہر گھڑی

[2]

ہر یکے جاں را ستاند وہ بہا　　ایک جاں دینے پہ دس جانیں ملیں
از نُبے بر خواں تو عشر امثالہا　　اس بشارت کو پڑھو قرآن میں

گر بریزد خونِ من آں دوست رُو　　گر بہانا چاہے دلبر میرا خوں
پائے کو باں جاں بر افشانم برو　　ناچ کر سو بار جاں قربان کروں

[1] سچے عشاق کو طرح طرح کی موت کا سامنا ہوتا ہے کبھی دیدار یار سے محرومی کی موت اور کبھی محبوب کے دیے ہوئے رنج و غم جو باعث راحت ہوتے ہیں ان میں کمی کی موت۔　[2] قرآن حکیم میں ہے "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" یعنی جس نے ایک نیکی کی اس کو اس جیسی دس حاصل ہوتی ہیں۔

۱

آزمودم مرگِ من در زندگی ست — در حقیقت موت ہے یہ زندگی
چوں رہم زیں زندگی پائندگی ست — زندگی کے بعد ہے پائندگی

۲

اُقتلُونی اُقتلُونی یا ثِقات — ہاں خدارا قتل کر ڈالو مجھے
اِنَّ فِی قَتلِی حَیَاتا فِی حَیَات — زندگی ہی زندگی مرنے میں ہے

۳

یَا مُنِیرَ الخَدِ یَا رُوحَ البَقَا — اے رخِ روشن کہ ہے جانِ بقا
اِجتَذِب رُوحِی وَجُد لِی بِا اللِّقَا — جان لے لے اک ذرا جلوہ دکھا

۴

لِی حَبِیبٌ حُبُہُ یَشوِی الحَشَا — حب جاناں میں ہے باطن شعلہ زن
لَو یَشَاءُ یَمشِی عَلٰے عَینِی مَشَا — شوق سے آنکھوں پہ ہو وہ گامزن

۵

پارسی گو گرچہ تازی خوشتر ست — فارسی کہہ گو ہے عربی شاندار
عشق را خود صد زبانے دیگر ست — عشق رکھتا ہے زبانیں بے شمار

۶

بوئے آں دلبر چو پراں می شود — جب مہک اس یار کی پھیلی کہیں
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود — بے زباں ساری زبانیں ہو گئیں

بس کنم دلبر در آمد در خطاب — بس کروں اب یار کرتا ہے خطاب
گوش شو وَاللہ عَالَم بِالصَّواب — غور کر وَاللہ عَالَم بِالصَّواب

۱ زندگی موت کی طرف جانے کا راستہ ہے اور انسان ہر لمحہ موت کے سائے میں سانس لیتا ہے لہٰذا یہ زندگی موت ہے جب کہ موت بقا کا دروازہ ہے۔ ۲ عاشق کہتا ہے کہ خدارا مجھے قتل کر دو اس لئے کہ اصل زندگی تو موت کے بعد ہے۔
۳ اے محبوب تیرے چہرے کے دیدار سے بقا حاصل ہوتی ہے اس لئے اسے دیکھ کر جان جاتی رہے گی اور حیات ابدی حاصل ہو گی۔
۴ اس کی محبت سے میرا باطن جل رہا ہے وہ بے شک میری آنکھوں پر قدم رکھتے تاکہ اسے میرے اندر کی تپش کا اندازہ ہو۔
۵ مولانا فرماتے ہیں اگر چہ عربی بہت فصیح ہے لیکن اب باقی باتیں فارسی میں بیان کر۔ اس لئے کہ اہل وطن فارسی داں ہیں۔ بلاشبہ اظہار عشق کیلئے سینکڑوں زبانیں ہیں لیکن انہیں سمجھنے والے گم ہیں۔ ۶ محبوب کی صفات کا بیان کسی زبان میں بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔

۱

چونکہ عاشق توبہ کرد اکنوں بترس
گو عیاراں می کند بر دار ترس

خوف سے عاشق ہوا تائب اگر
دے گا درسِ عاشقی وہ دار پر

۲

گرچہ ایں عاشق بخارا می رود
نے بدرس و نے بہ اُستا می رود

گو یہ عاشق ہے بخارا کو رواں
جستجو درس و مدارس کی کہاں

عاشقاں راشد مدرّس حسنِ دوست
دفتر و درس و سبق شاں روئے اوست

ہے مدرس عاشقوں کا روئے دوست
ہے کتاب و درس و انشا روئے دوست

۳

خامش اند و نعرۂ تکرارِ شاں
میرَود تا عرش و تختِ یارِ شاں

گرچہ ہیں خاموش پر ان کی صدا
ہے فلک پر یار تک پہنچی سدا

۴

درسِ شاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نے زیادات ست و باب و سلسلہ

درس ان کا رقص و شور و زلزلہ
وہ کہاں پڑھتے ہیں باب و سلسلہ

۵

سلسلہ ایں قوم جَعدِ مشکبار
مسئلہ دور ست لیکن دورِ یار

سلسلہ ان کا ہے زلفِ مشکبار
مسئلہ بھی خود ہے حل بھی خود ہے یار

ذکرِ ہر چیزے دہد خاصیتے
زانکہ دارد ہر صفت ماہیتے

ہر بیاں کی ہیں جدا کیفیتیں
ہیں الگ ہر صفت کی ماہتیں

۱ عاشق کسی مجبوری کے باعث اگر اپنی داستان غم بیان کرنے سے باز رہا تو کیا ہوا وہ سولی پر سوار ہو کر اپنی داستان عشق بیان کرے گا۔

۲ اگرچہ عاشق بخارا جا رہا ہے جو علوم کا مرکز ہے لیکن اس کا سفر کسی استاد یعنی حصول دانش کیلئے نہیں اس کا درس اور مدرس تو صرف روئے دوست ہے اسے سب کچھ دیدار دوست سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جہاں روئے کہ تفسیر رموز ازلی ہست لا ریب دریں دہر کتابے بہ ازیں نیست (وفا)

۳ اہل دل خاموشی سے یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں تاہم ان کا ذکر بارگاہ خداوندی تک پہنچتا ہے۔

۴ اہل دل دنیوی کتابوں کی بجائے ذات باری کی عبادت سے اہل اللہ بنتے ہیں باب و سلسلہ دنیوی کتب کا نام ہیں۔

۵ عشاق کا سلسلہ یار کے گیسوئے مشکبار ہیں۔

۶ ہر چیز کا بیان عاشق کے دل میں جداگانہ کیفیت پیدا کرتا ہے۔ بہت سے اولیائے کرام کے واقعات مشہور ہیں کہ معمولی الفاظ سے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

۱ؔ

با جمال جاں چو شد ہم کاسۂ حسن جاں کا جو بھی ہم پیالہ ہوا
باشدش ز اخبار ودانش تاسۂ اس کو علم و آگہی سے کام کیا

جاذب مجذوب

۱ؔ

مُستمع چوں نیست خاموشی بہ است چپ رہو گر ہو نہ کوئی نکتہ داں
نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است مت کہو نا اہل سے سر نہاں

۲ؔ

جنبشِ ہر کس بسوئے جاذب ست ہیں کشش والے کی جانب سب رواں
جذبِ صادق نےچوجذبِ کاذب ست ہے کشش سچی کی جھوٹی میں کہاں

۳ؔ

می روی گہ گمرہ و گہ دَر رَشد ہو کبھی گمرہ کبھی رہ پر رواں
رشتہ پیدا نے وآں رَکت می کشد ڈور ہے ظاہر نہ وہ جو ہے کشاں

۴ؔ

اُشترے کوری مہارِ تو رہیں تو ہے اندھا اونٹ ڈھونڈا ے زِمہار
تو کشش می بیں مہاوت رامبیں اس مہاوت کو جو کھینچے ہے مہار

۵ؔ

گر شدے محسوس جذابِ مہار گر نظر آجائے وہ اہل مہار
بس نماندے ایں جہاں دارالفرار ہوں جہاں والے نہ دھوکے کے شکار

۱ؔ جس کو جمال یار سے روشنی حاصل ہوجاتی ہے اس کیلئے ظاہری علوم کو حاصل کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ۱ؔ اگر سننے والوں میں اہل دل اور اہل ورنہیں تو اسرار و رموز کی بات سنانا مناسب نہیں اس لئے کہ انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی۔ ۲ؔ یوں تو سبھی کشش والے یعنی ذات پاک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن جو کشش جذبہ صادق رکھنے والوں میں ہوتی ہے وہ دوسروں میں کہاں۔ ۳ؔ انسان کی زندگی میں تمام زیر و بم دست قضا کے محتاج ہیں لیکن وہ ہاتھ جو اس ڈور کو کھینچتا ہے ہمیں نظر نہیں آتا۔ ۴ؔ انسان اندھے اونٹ کی طرح جس کی مہار اس کے مہاوت کے ہاتھ میں ہے اسلئے مناسب تر ین عمل یہ ہے کہ ہم اس مہارت سے تعلق پیدا کریں تا کہ راہ راست پر چلتے رہیں۔ ۵ؔ اگر مہاوت نظر آجائے اور اس سے تعلق استوار ہوجائے تو پھر انسان ظاہری شان وشوکت و دنیاوی حرص و ہوس کا شکار نہ ہو۔

۱

پس ستون ایں جہاں خود غفلت است   یہ جہاں غفلت پہ قائم ہے مگر
چیست دولت کایں دوادو بالت است   مال کیا ہے کشمکش جھگڑا ضر

۲

اولش دَو دَو بآخر لت بخُور   ابتدا ہے کشمکش آخر فنا
جز دریں ویرانہ نبود مرگِ خَر   کچھ نہیں یاں مرگ خر کے ماسوا

۳

تو بجِدّ کارے کہ بگرفتی بدست   تو نے کی ہے ابتداء جس کام کی
عیبش ایں دم بَر تو پوشیدہ شدست   بے خبر ہے اس کی خامی سے ابھی

زاں ہمی تانی بدادن تن بکار   شوق سے ہے محو اس میں بے گماں
کہ بپوشید از تو عیبش کردگار   حق نے اس کے عیب رکھے ہیں نہاں

بَر تو گر پیدا شدے زاں عیب وشین   عیب ہوں اس کے اگر تم پر عیاں
زو رمیدے جانت بعد المشرقین   دور بھاگو اس سے مانگو تم اماں

۴

حال کاخر زُو پشیماں می شوی   گر خبر ہوتی تجھے انجام کی
گرشود ایں حالت اوّل گے دَوی   ابتدا کرتے نہ تم اس کام کی

۱ اہل جہاں حقیقت سے بے خبر غفلت میں مبتلا ہیں اس دنیا کا مال واسباب جھگڑے اور فساد کا باعث ہیں۔

۲ زندگی مسلسل بھاگ دوڑ کے سوا کچھ نہیں اور اس کشمکش کا انجام موت ہے جس طرح زندگی بھر محنت کے بعد گدھا صحرا میں ہلاک ہو جاتا ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

۳ انسان زندگی میں جس کام کی ابتدا کرتا ہے وہ اس کے انجام سے بے خبر ہوتا ہے۔

۴ انسان زندگی کے انجام کار سے بے خبر محنت کرتا ہے لیکن اگر وہ اس کام کے انجام سے آگاہ ہوتا تو کبھی اس کا آغاز نہ کرتا اور اگلے شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ اس پردہ داری کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ہر کام کو اپنے دست قدرت میں رکھنا چاہتا ہے۔

پس بپوشید اوّل آں بر جانِ ما　　راز تھا اس میں یہی اللہ کا
تا کنیم آن کار بر وفقِ قضا　　ہو ترا ہر کام پابند قضا

لے

چوں قضا آورد حکمِ خود پدید　　جب قضا کے حکم سے آگہ ہوئے
چشم وا گشت و پشیمانی رسید　　تم پشیماں اور شرمندہ ہوئے

ایں پشیمانی قضائے دیگر ست　　یہ تری شرمندگی بھی ہے قضا
ایں پشیمانی بہل حق را پرست　　بندگی کر اور سب کچھ بھول جا

ع

ور کنی عادت پشیماں خود شوی　　گر رہے شرمندگی میں مبتلا
زیں پشیمانی پشیماں تر شوی　　ہوگی یہ شرمندگی بے انتہا

نیم عمرت در پریشانی شود　　عمر کچھ ہوگی پریشانی کی نذر
نیمِ دیگر پشیمانی رَوَد　　اور کچھ ہوگی پشیمانی کی نذر

ترکِ ایں فکر و پشیمانی بگو　　بھول جا سب فکر اور شرمندگی
حال و یار و کارِ نیکو تر بجُو　　کر مزیں نیکیوں سے زندگی

ور نداری کارِ نیکو تر بدست　　زندگی میں گر نہ ہو حسن عمل
پس پشیمانیت بر فوتِ چہ است　　کیوں نہ ہو تو ایسے جینے سے خجل

لے　جب انسان محسوس کرتا ہے کہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ دستِ قدرت میں ہے تو اسے اس بات پر شرمندگی ہوتی ہے کہ اس نے شروع سے ہی قادرِ مطلق کی طرف رجوع کیوں نہیں کیا اور دنیاوی سہاروں پر بھروسہ کیا۔ شرمندگی کا یہ احساس بھی دستِ قدرت کا عطا کردہ ہوتا ہے۔

ع　اب مولانا فرماتے ہیں کہ صرف شرمندگی میں کافی نہیں بلکہ اپنی زندگی کو نیک اعمال سے آراستہ کرنا چاہیے ورنہ آخرت میں جب اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو بے حد خجالت اور ندامت ہوگی۔ اس کے بعد آخر میں مولانا اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اعمال صالح کی توفیق عطا فرمائے اور دل اس کی یاد سے غافل نہ ہو۔

اے

اے خدا اے راز دان خوش سخن   اے خدا اے راز دان و کردگار
عیب کار بد زما پنہاں مکن   ہر خطا کی ہو برائے آشکار

عیب کار نیک را منما بما   نیکیوں کی راہ میں کچھ حائل نہ ہو
تا نگردیم از روش سرد و ہبا   دل تساہل کی طرف مائل نہ ہو

حرفِ عقیدت

[1]

اے لقائے تو جواب ہر سوال　　تجھ کو دیکھا مل گئیں سب منزلیں
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال　　بے کہے حل ہو گئیں سب مشکلیں

ترجمان ہرچہ مارا در دلِ است　　تو کہ ہے اسرار دل کا ترجماں
دستگیر ہرچہ پالیش در گِلِ است　　غم کی دلدل میں ہمارا پاسباں

مرحبا یا مجتبےٰ یا مرتضےٰ　　مرحبا اے مجتبےٰ اے مرتضےٰ
اِنْ تَغِبْ جَاءَ الْقَضَا ضَاقَ الْفَضَا　　چھوڑ کر مت کر ہمیں بے آسرا

[2]

اَنْتَ مَوْلَی الْقَوْمِ مَنْ لَا یَشْتَہِی　　تو ہے آقا جو نہیں شیدا ترا
قَدْ رَوٰی کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ　　بے گماں وہ ہوگا بالآخر تباہ

[1] آپ کا دیدار ایک ایسی روشنی ہے کہ آپ کو ایک نظر دیکھتے ہی دل سے تمام وسوسے دور ہوجاتے ہیں اور ہمیں بغیر مانگے ہماری منزل مراد نظر آنے لگتی ہے۔

[2] اس شعر میں قرآن پاک کی اس آیت کا اقتباس ہے کہ کلا لئن لم ینتہ لنسفعاً بالناصیۃ اللہ تعالیٰ ابوجہل سے مخاطب ہیں کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت سے باز نہیں آئیگا تو ہم اس کے بال پکڑ کر (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے۔ محبوب خدا سے محبت نہ رکھنا اگر محض بے رغبتی سے ہے تو ہلاک اور تباہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے فیوض و برکات سے محرومی ہلاکت سے کم نہیں۔ اگر عدم رغبت بغض و عناد کے باعث ہے تو پھر حدیث شریف میں ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو دشمن میرے کسی دوست سے عداوت رکھتا میں اسے جنگ کی دعوت دیتا ہوں۔

حلقۂ دَر بَن

[۱]

آزمودی تو ہے آفاتِ خویش   بار ہا تجھ پر پڑیں جب مشکلات
یافتی صحت ازیں شاہانِ کیش   سرورانِ دیں نے دلوائی نجات

چند آں لنگیِ تو رہوار شد   تو اپاہج تھا بنایا خوش خرام
چند جانت بے غم و آزاد شد   اور مٹائے درد و سوزِ نا تمام

اے مغفل رشتۂ برپائے بند   خود پہ قابو رکھ کہیں اے خود نگر
تا ز خود ہم گم نہ گردی اے لوند   ہو نہ جائے خود سے بھی تو بے خبر

ناسپاسی و فراموشیِ تو   یوں ہوئے احساس فراموشی میں گم
یاد ناورد آں عسل نوشیِ تو   بھول بیٹھے شہد نوشی کو بھی تم

لا جرم آں راہ بر تو بستہ شد   ہوگئے ہیں بند سب راہِ عطا
چوں دلِ اہلِ دل از تو خستہ شد   تجھ سے دل آزردہ ہیں اہلِ صفا

زود شاں دریاب و استغفار کن   ان کے در پہ جا کے استغفار کر
ہمچو ابرے گریہ ہائے زار کن   اشک برسا عجز کا اظہار کر

[۱] مولانا فرماتے ہیں کہ جب انسان کو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو وہ خدا کو پکارتا ہے اور اہل خدا کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن مصائب دور ہونے پر وہ خدا اور اہل خدا کو بھول جاتا ہے اور ان کی عنایات کو فراموش کر دیتا ہے۔

تا گلستاں شاں سوئے تو بشگفد   تا کہ ہو باغ کرم سے بہرہ ور
میوہ ہائے پختہ بر خود وا کفد   جا بجا پھوٹیں عطاؤں کے ثمر

[1]

ہم براں در گرد و کم از سگ مباش   مثل سگ اس در کا ہر دم کر طواف
باسگِ کہف ارشد ستی خواجہ تاش   چاہے تو ہو کہف کے سگ سے بھی صاف

چوں سگاں ہم مرسگاں رانا صح اند   کتے بھی کتوں کو دکھلاتے ہیں راہ
کہ دل اندر خانہٴ اوّل بہ بند   اولیں گھر سے ہی اپنا دل لگا

[2]

آں در اوّل کہ خوردی استخواں   اولیں در جس سے پائی استخواں
سخت گیر و حق گذاری را مماں   اس کا ہو کے رہ نہ بن نا مہرباں

می گزندش کز ادب آنجا رود   کاٹتے ہیں تا کہ جائے با ادب
وز مقامِ اولیں مفلح شود   اولیں در سے ہی پائے فیض سب

می گزندش اے سگ طاغی برو   کاٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا
با ولیِّ نعمت ار باغی مشو   اپنے محسن سے ہے کیوں باغی ہوا

بر ہماں در ہمچو حلقہ بستہ باش   حلقہ در بن کے اس در پہ رہو
پاسباں و چابک و برجستہ باش   ذوق دل سے خادم و چاکر بنو

[1] جس در سے تجھے فیض ملا ہے اسے مت چھوڑ۔ اصحاب کہف کے کتے کی طرح وفاداری کی خو پیدا کر۔

[2] جس در سے تجھے رزق روزی ملی ہے اس سے منہ نہ موڑ، جب کتا کسی دوسرے در پر جاتا ہے تو وہاں موجود کتے اسے کاٹنے کو دوڑتے ہیں تا کہ وہ اپنے در پر جائے اور اس کی وجہ سے کتوں پر بے وفائی کا الزام نہ لگے۔ وفاداری کتوں کی پہچان ہے وہ کہتے ہیں اپنے مالک سے بے وفائی کر کے ہم سب کی رسوائی کا سبب نہ بن۔

صورتِ نقصِ وفائے ما مباش ہم نہیں ہیں بے وفا رسوا نہ کر
بیوفائی را مکن بیہودہ فاش بیوفائی کا عبث چرچا نہ کر

مرسگاں را چوں وفا آمد شعار ہے ہمیں اپنی وفاداری پہ ناز
رو سگاں رانگ و بدنامی میار مت مٹا کتوں کی وجہ امتیاز

بے وفا چوں سگاں را عار بود بے وفائی کو سمجھتے ہیں برا
بے وفائی چون رواداری نمود تم سمجھ بیٹھے ہو اس کو کیوں روا

حق تعالیٰ فخر آورد از وفا سن وفا پر فخر ہے اللہ کو بھی[1]
گفت مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ غَیْرُنَا "ہے وفائے عہد میں بہت کوئی

بے وفائی داں وفا با رِدِّ حق حق سے رو ہو کر وفا بھی ہے جفا
بر حقوقِ حق ندارد کس سبق حق پہ سبقت کس کو حاصل ہے بھلا

اے خدا وندا ے قدیم احسانِ تو مجھ پہ ہے تیرا یہ احسان قدیم
آنکہ دانم وانکہ نے ہم آنِ تو علم بخشا جس قدر بھی اے علیم

تو بفرمودی کہ حق را یاد کن تو نے فرمایا کہ میرا ذکر کر
زانکہ حق من نمی گردو کہن میرا یہ حق دائمی ہے سربسر

[1] سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے وفا داری پر فخر فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ اللہ سے زیادہ اپنا عہد پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا مولانا فرماتے ہیں کہ وفاداری بشرطِ استواری پر قائم رہنے والے انسان اللہ تعالیٰ کے مقرب اور محبوب ہوتے ہیں۔

۱

یاد کن لطفے کہ کردم آن صبوح   یاد کر میرا کرم جب صبحگاہ
با شما از حفظ در کشتیِ نوح   نوح کی کشتی میں دی تم کو پناہ

اصل و اجدادِ شما را آں زماں   تیری سب نسلوں کو میں نے اس گھڑی
دادم از طوفان و از موجش اماں   موج طوفان سے کر رکھا محفوظ بھی

آبِ آتش خو زمیں بگرفتہ بود   کر رہا تھا تند پانی کا جنوں
موجِ اُو ہر اوجِ کوہ رامی ربود   اونچی اونچی چوٹیوں کو سرنگوں

حفظ کردم من نہ کردم رد تاں   دی ہلاکت سے تجھے میں نے اماں
در وجودِ جدِّ جدِّ جدِّ تاں   اور بچائی انگنت نسلوں کی جاں

۲

چوں شدی سر پُشت پایت چوں زنم   کیسے کرتا سب سے اشرف کو تباہ
کارگاہِ خویش ضائع چوں کنم   کیسے کرتا ختم اپنی کارگاہ

۳

چوں فدائے بیوفایاں می شوی   بیوفاؤں کو تم اپناتے ہو کیوں
از گمانِ بد بداں سو می روی   بدگمانی میں ادھر جاتے ہو کیوں

من ز سہو و بیوفائیہا بری   پاک ہوں میں بے وفائی سے سدا
سوئے من آئی گمانِ بد بری   بدگماں ہو کر میری جانب نہ آ

۱ یہ اشارہ طوفان نوح کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح کی کشتی میں انسانوں اور دوسرے جانداروں کو پناہ دی تا کہ ان کی نسلیں بالکل تباہ نہ ہو جائیں۔ ۲ جب انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا تو پھر اس کی آئندہ نسل کو کیسے تباہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بچا کر اپنی قدرت ظاہر کی اور بتایا کہ نافرمانی کی سزا کس قدر سنگین ہو سکتی ہے۔ ۳ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس قدر احسانات کے باوجود تو پھر بھی نافرمانی کرتا ہے اور گمراہوں کا ساتھ دیتا ہے۔ بیوفائی کی توقع انسان سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے نہیں۔ اس لئے اس کی طرف رجوع کرتے وقت دل سے اس قسم کی بدگمانی کو نکال دینا چاہیے۔

ایں گمانِ بد بر آنجا بر کہ تو   یہ خیال خام کر ان سے بیاں
میشوی در پیش و ہمچو خود دو تو   جو تری صورت ہیں بد ظن بد گماں

بس گرفتی یار و ہمراہانِ زفت   کیسے کیسے تھے قوی ساتھی ترے[1]
گر ترا پرسم کہ گو کوئی کہ رفت   کیا ہوئے پوچھوں کہو گے چل دیئے

یارِ نیکت رفت بر چرخِ بریں   نیک تھے جو عرش پر ہیں جاگزیں
یار فسقت رفت در قعرِ زمیں   اور بد کردار ہیں زیرِ زمیں

تو بماندی درمیانہ آنچناں   تم ہو تنہا ہمرہاں جانے کے بعد
بے مدد چوں آتشے از کارواں   آگ جیسے کارواں جانے کے بعد

دامن او گیر اے یارِ دلیر   اے بہادر اس کا دامن تھام لو
گو منزہ باشد از بالا و زیر   جو بلند و پست سے آزاد ہو

نَے چوں عیسیٰ سوئے گردوں بَرشود   مثلِ عیسیٰ جو نہ جائے سوئے عرش
نَے چوں قاروں در زمیں اندر رَوَد   مثلِ قاروں جو نہ جائے زیرِ فرش

با تو باشد در مکان و لا مکاں   جو مکان و لا مکاں میں ساتھ ہو
چوں بمانی از سرا و از دکاں   جو ترے گھر اور دکاں میں ساتھ ہو

[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے کیسے کیسے دوست تھے جو خود کو بہت قوی سمجھتے تھے لیکن وہ کہاں گئے۔ اگر پوچھا جائے تو کہو گے مر گئے فنا ہوگئے۔ ان کے جانے کے بعد تم اس طرح تنہا رہ گئے جس طرح کارواں کے جانے کے بعد پڑاؤ پر الاؤ رہ جاتا ہے۔

اُو برآرد از کدورتہا صفا — جو کدورت کو بناتا ہے صفا
مَر جفاہائے ترا گیرد وفا — بے وفائی کو سمجھتا ہے وفا

۱

چوں جفا آری فرستد گوشمال — وہ جفا کرنے پہ دیتا ہے سزا
تا ز نقصاں وا روی سوئے کمال — تا کہ نقصاں سے بچو پاؤ عطا

۲

چوں تو دروے ترک کردی درروش — جب بھی اس کی یاد سے غافل ہوئے
بَر تو قبضے آید و رنج و تپش — تجھ پہ درد و رنج و غم نازل ہوئے

۳

آں ادب کردن بود یعنی مکن — اس سے تیری تربیت مقصود ہے
ہیچ تحویلے ازاں عہد کہن — تا کہ وہ عہدِ کہن تازہ رہے

۱ جب انسان سے کوئی غلط کام سرزد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تنبیہ کے طور پر اسے سزا دے کر بھلائی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

۲ جب بھی انسان اپنی معمول کی عبادت میں غفلت برتتا ہے تو ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے انسان آئندہ اپنی عبادات کو فوت ہونے نہیں دیتا۔

۳ روزِ الست جب ذاتِ باری نے پوچھا ''کیا میں تمہارا رب نہیں'' تو سب نے کہا ''بلیٰ'' ہاں تم ہمارے رب ہو۔ مولانا اسی عہد و اقرار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے سزا ملنے پر جب انسان دوبارہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو یہ عمل اس عہد کو تازہ کرنے کے مترادف ہوتا ہے جب اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کیا تھا۔

وصلِ یار

[1]

پنج وقت آمد نماز اے رہنمون   فرض ہیں سب پر نمازیں پانچ بار
عاشقاں را فی صَلوٰۃٍ دائمون   ہیں مگر عاشق سدا سجدہ گذار

نے بہ پنج آرام گیرد آں خمار   پنجگانہ سے قرار آتا ہے کب
کاندراں سرہاست نے پانصد ہزار   چاہتے ہیں ہمکلامی روز و شب

نیست زُرھباً نشانِ عاشقاں   گاہے گاہے دید کی قائل ہے کب
سخت مستسقی ست جانِ عاشقاں   جان عاشق ہے بہت ہی تشنہ لب

[2]

نیست زُرھبا وظیفہ ماہیاں   مچھلیوں سے کیسے ممکن ہے کہیں
زانکہ بے دریا ندارند اُنسِ جاں   گاہے گاہے جا کے دریا سے ملیں

آب ایں دریا کہ ہائل بقعہ ایست   گو کہ ہے دریا کا پانی پُر خطر
با خمار ماہیاں خود جرعہ ایست   مچھلیوں کے واسطے ہے خوش اثر

یک دمِ ہجراں بر عاشق چو سال   ہجر کا ایک لمحہ بھی ہے سال غم
وصل سالِ متصل پیشش خیال   وصل اک سال بھی لمحے سے کم

[1] ان اشعار میں مولانا اس مرد باصفا اور عاشق الٰہی کی کیفیت اور احساسات بیان فرماتے ہیں جو ہمہ وقت یا خدا میں محو اور گم رہنا چاہتا ہے اور صرف پانچ وقت کی نماز کیلئے پروردگار عالم کے حضور سربسجود ہونے سے اس کی تسلیم نہیں ہوتی۔ [2] مچھلی کی مثال دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ مچھلی کو صرف چند لمحوں کیلئے بھی پانی سے نکالا جائے تو وہ مردہ ہوجاتی ہے اسی طرح عاشق ذات پاک کیلئے کیسے ممکن ہے کہ وہ وقفے وقفے سے اللہ کے حضور سر جھکائے اس سے ہمکلام ہو وہ تو مچھلی کی طرح ہمہ وقت ذات الٰہی کی یاد میں محو رہنا چاہتا ہے۔

1

روز بر شب عاشق ست و مضطرست	دن ہے عاشق رات کا اور بے قرار
چوں بہ بینی شب برو عاشق ترست	رات کو لیکن ہے اس سے بڑھ کے پیار
نیست شاں از جستجو یک لحظہ ایست	جستجو میں ایک دوجے کے کہیں
از پئے ہم شاں یکے دم ایست نیست	ایک لمحے کو بھی وہ رکتے نہیں
ایں گرفتہ پائے آں آں گوشِ ایں	دونوں اک دوجے کا دامن تھام کے
ایں برآں مدہوش واں بیہوشِ ایں	ہیں غمارِ عشق میں کھوئے ہوئے
در دلِ معشوق جملہ عاشق ست	ہے دلِ معشوق میں عاشق مکیں
در دلِ عذرا ہمیشہ وامق ست	اور دلِ عذرا میں وامق جاگزیں
در دلِ عاشق بجز معشوق نیست	ہے دلِ عاشق میں بھی معشوق ہی
درمیاں شاں فارق و مفروق نیست	کوئی فارق ہے نہ ہے مفروق ہی

2

بَر یکے اُشتر بود ایں دو درا	اونٹ کی گردن میں یہ دو گھنٹیاں
پس چہ زُرغبا بگنجد ایں دو را	وقفے وقفے سے ملیں ممکن کہاں

1 جس طرح دن رات کی جستجو میں مسلسل رواں دواں رہتا ہے۔ اسی طرح عاشق بھی اپنے محبوب کی تلاش میں شب و روز مصروف رہتا ہے اور اسے اسی عمل سے دلی سکون حاصل ہوتا ہے۔

2 اونٹ کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیاں مسلسل ایک دوسرے سے ملتی ہیں، ان کے لئے زرغبا یعنی ایک دن چھوڑ کر ملنا ہے کیسے ممکن ہے۔

ہیچ کس با خویش زُرغبا نمود   خود سے کب ملتا ہے کوئی گاہ گاہ
ہیچ کس با خود بنوبت یار بود   اپنا دم بھرتا ہے کوئی گاہ گاہ

[1]

آں یکیِ نے کہ عقلش فہم کرد   عقل سے بالا ہے یہ راز وصال
فہم ایں موقوف شد بر مرگ مرد   موت سے کھلتا ہے یہ راز وصال

جز مگر مردے کہ پیش از مرگ مُرد   جو فنا ہونے سے پہلے ہو فنا
زحتِ ہستی را بسوئے یار برد   اس نے راز وصل جاناں پا لیا

[2]

ور بعقل ادراکِ ایں ممکن بُدے   عقل سے ممکن اگر ہوتا یہ کام
قہرِ نفس از بہرِ چہ واجب شدے   بے ضرورت تھا یہ زہد صبح و شام

[3]

با چناں رحمت کہ دارد شاہِ ہُش   صاحب رحمت ہے وہ رب عقیل
بے ضرورت چوں بگوید نفس کُش   دے گا کیوں حکم ریاضت بے دلیل

1. محبوب حقیقی اور محبت کا ملاپ عقل سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ وصل فنا ہو کر ملتا ہے۔
2. اگر وصل یار عقل سے حاصل ہو سکتا تو پھر زہد وعبادت اور تقویٰ کی کیا ضرورت تھی۔
3. عشق حقیقی کا مقام حاصل کرنے کیلئے عقل کی نہیں بلکہ زہد وتقویٰ اور ریاضت وعبادت کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ قرب الٰہی حاصل ہو۔

آئینہ دل

۱

گرتنِ خاکی غلیظ و تیرہ است　　ہے اگر تیرا تن خاکی سیاہ
صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است　　اس کو صیقل کر ہے صیقل آشنا

تا دروں اشکالِ غیبی رُو دہد　　تا کہ غیبی صورتیں آئیں نظر
عکس حورے و مَلک در وے جہد　　اور ہوں حور و ملک بھی جلوہ گر

۲

صیقلی عقلت بداں داد ست حق　　عقل کا صیقل کہ ہے داد خدا
کہ بدو روشن شود دل را ورق　　دل کے آئینے کو دے اس سے جلا

صیقلی را بستۂ اے بے نیاز　　تو نے صیقل کو بنایا ہے غلام
واں ہوا را کردۂ دو دست باز　　اور ہوس کو کر دیا ہے بے لگام

گر ہوا را بند بنہادہ شود　　گر ہوس پر تو نے قابو پا لیا
صیقلے را دست بکشادہ شود　　ہوگی صیقل کامیاب و خوشنما

۳

تیرہ کردی زنگ دادی در نہاد　　آئینہ کو زنگ سے کالا کیا
ایں بُود یَسْعونَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَاد　　اور فساد الارض کا مظہر بنا

۱ اگر تیرا آئینۂ دل سیاہ ہے اور اس پر گناہوں کی سیاہی بھی ہوئی ہے تو اسے یادِ الٰہی سے صیقل کر اسطرح یہ آئینہ صیقل سے صاف ہو جاتا ہے۔
۲ عقل سے کام لے کر حرص و ہوس کو ترک کرکے دل کے آئینہ کو پاک و صاف کرو۔
۳ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے یسعون فی الارض الفسادا واللہ لایحب المفسدین وہ لوگ زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مولانا نے اس آیت میں فساد سے مراد دلوں کی تاریکی لی ہے اسلئے کہ اگر دل دنیاوی خواہشات سے تاریک ہوگا تو انسان تباہی کا راستہ اختیار کریگا۔

تا کنوں کر دی چنیں اکنوں مکن — جو کیا ہے اس سے اب بڑھ کر نہ کر
تیرہ کردہ آب را افزوں مکن — آب کو گندہ کیا بد تر نہ کر

[1]

برمشوراں تا شود ایں آب صاف — مت ہلا ہونے دے اب پانی کو صاف
واندرو بیں ماہ و اختر در طواف — دیکھ اس میں چاند تاروں کا طواف

[2]

زانکہ مردم ہستند ہمچو آب جو — نہر کے پانی کی صورت میں بشر
چوں شود تیرہ نہ بینی قعرِ او — تہہ نہاں ہوتی ہے گدلا ہو اگر

قعرِ جُو پُر گوہر ست و پُر ز دُر — نہر کی تہہ میں ہیں موتی اور گہر
ہیں مکن تیرہ کہ ہست آں صاف وحُر — صاف رہنے دے کہ وہ آئیں نظر

[3]

جانِ مردم ہست مانندِ ہوا — روح انساں جیسے پاکیزہ ہوا
چوں بگرو آمیخت شد پردہ سما — مل کے مٹی سے ہوئی پردہ نما

مانع آید اُو ز دیدِ آفتاب — دیکھنا سورج کا مشکل ہوگیا
چونکہ گردش رفت شد صافی و ناب — جب چھٹی مٹی تو منظر کھل اٹھا

حاصل آنکہ کم مکن اے بے سرور — مختصر یہ کم نہ کر صیقل کو تو
صیقلی وَاللہ اَعْلَم بِالْقُدُور — جانتا ہے راز دل اللہ ہو

[1] گدلے پانی کومت ہلاتا کہ مٹی بیٹھ جائے یعنی اب دل کی تاریکی کو مزید نہ بڑھاؤ بلکہ نیکی اپناؤ تا کہ دل سے گناہوں کی کدورت دور ہو۔

[2] اگر پانی گدلا ہوتو نہر کی تہہ نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اگر دل گناہوں سے آلودہ ہوتو انسان اپنی ان صلاحیتوں کو دیکھنے اور ان سے بھلائی کیلئے کام لینے سے قاصر ہوتا ہے جو حق تعالیٰ نے اسے نیک اور پاکیزہ زندگی گزارنے کیلئے عطا کی ہیں۔

[3] جب انسانی روح دنیاوی خواہشات کی مٹی سے آلودہ ہوجاتی ہے تو وہ نور حقیقی کی روشنی دیکھنے سے محروم ہوجاتی ہے لیکن جب زندگی گناہوں سے پاک وصاف ہوجائے تو پھر اسرار قدرت سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور روح انسانی بزم حقیقت کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔

خواہشات

۱

دستِ کورانہ بجبل اللہ زن — بے دریغ اللہ کی رسی کو تھام
جز بہ اَمر و نہی یزدانی متن — اَمر و نہی کے سوا سب کچھ ہے خام

۲

چیست حبل اللہ رہا کردن ہوا — اَمر و نہی کیا ہے ترکِ خواہشات
کیں ہوا شد صرصرے مر عاد را — عاد کا طوفاں تھا غرقِ خواہشات

۳

خلق در زنداں نشستہ از ہواست — قیدِ زنداں کا سبب بھی خواہشات
مرغ را پر ہا بہ بستہ از ہواست — بندِ مرغاں کا سبب بھی خواہشات

۴

ماہی اندر تابۂ گرم از ہواست — سوزِ ماہی کا سبب بھی خواہشات
رفتہ از مستوریاں شرم از ہواست — بے حیائی کا سبب بھی خواہشات

۵

خشم شحنہ شعلۂ نار از ہواست — نار و قدغن کا سبب بھی خواہشات
چار میخ و ہیبتِ دار از ہواست — دار و رسّن کا سبب بھی خواہشات

شحنۂ اجسام دیدی بر زمیں — تو نے دیکھا ہے زمیں کا حکمراں
شحنۂ احکام جاں را ہم بہ بیں — دیکھ اب روحِ مبیں کا حکمران

۱ اگر تو مجتہد نہیں تو اللہ کی رسی کو پکڑ لے اور اس کے احکام کی پابندی کر۔
۲ اللہ کی رسی کو پکڑنے کا مقصد خواہشات نفسانی کو ترک کرنا ہے۔ قومِ عاد بھی انہی خواہشات کے باعث طوفان کا شکار ہوئی تھی۔
۳ ہر جاندار خواہشات نفسانی کے باعث مصائب میں گرفتار ہوتا ہے۔ ۴ مچھلی اگر خوراک کا لالچ نہ کرے تو آگ پر بھنے جانے کی تکلیف نہ اٹھائی پڑے۔ عورتیں خواہشات دنیاوی کے سبب ہی بے حیائی میں مبتلا ہیں۔
۵ حکام کا غصہ بھی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہوتا ہے اور یہی خواہشات انسان کو دار پر پہنچاتی ہیں۔

۱

روح را در غیب خود اشکنجہاست   روح کے بند و سلاسل ہیں نہاں
لیک تا نجہی شکنجہ در خفاست   زندگی میں وہ نہیں ہوتے عیاں

چوں رہیدی بینی اشکنجہ دِ مار   وہ نظر آئیں گے مرجانے کے بعد
زانکہ ضد از ضد گردد آشکار   صبح ہوگی شب گذر جانے کے بعد

۲

چوں رہا کر دی ہوا از بیم حق   ترک کیں جب خوف حق سے خواہشات
در رسد سفراق از تسنیم حق   عرش سے آئے گا جام پر صفات

مثال در بیان معنی نومن بالقدر خیرہ وشرہ

(ایک مثال کہ ہم ایمان لائے اچھی اور بری تقدیر پر)

۳

کرد نقاشے دو گونہ نقشہا   نقش دو نقاش نے کھینچے جدا
نقشہائے صاف و نقش بے صفا   ایک دلکش نقش تھا اک بدنما

نقشِ یوسف کرد و حور خوش سرشت   ایک تھا یوسف کا اور حوروں کا نقش
نقشِ عفریتاں و ابلیسانِ زشت   ایک تھا شیطان اور بھوتوں کا نقش

۱ خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے والی روح کیلئے آخرت میں سزا کے ذرائع موجود ہیں جو مرنے کے بعد ہی نظر آئیں گے۔

۲ جب انسان عذاب الٰہی کے خوف سے خواہشات نفسانی کو چھوڑ دے گا تو اسے حق تعالیٰ کی طرف سے جام رحمت عطا ہوگا۔

۳ ان اشعار میں مولانا نقاش ازل کی قدرت وکمال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں وہ جسے چاہے خوبصورت بنا دے اور جسے چاہے بدصورت وہی اچھی اور بری صورت اور تقدیر کا خالق ومالک ہے۔

۱

ہر دو گونہ نقش استادیِ اوست   نقش تھے دونوں مہارت کی دلیل
زشتیِ اونیست آں روایِ اوست   اس کی دانش اور فراست کی دلیل

خُوب را در غایتِ خوبی کشد   خوبصورت کو بنائے خوب تر
حسنِ عالم چاشنی از وے چشد   اہل دنیا کے لئے جنت نظیر

زشت را در غایتِ زشتی کند   ایسا بدصورت کو بدصورت بنائے
جملہ زشتی ہا بگردش بر تند   جس پہ خود بدصورتی کو رشک آئے

۲

تا کمالِ دانشش پیدا شود   تا کہ ہو اس کا کمال فن عیاں
منکرِ اُستادیش رسوا شود   منکر عظمت وہ رسوائے جہاں

۳

ورنہ تاند زشت کردن ناقص ست   بدنما صورت کا بھی خالق ہے وہ
زیں سبب خلاقِ گبرو خالص ست   نور اور ظلمت کا بھی خالق ہے وہ

۴

پس ازیں رُو کفر و ایماں شاہد اند   کفر و اماں اس کی عظمت کے گواہ
بر خداوندیش ہردو ساجد اند   سر بسجدہ اس کی وحدت کے گواہ

۱ دونوں طرح کے نقش اس کی مہارت اور کمال قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ۲ کمال فن کا یہ مظاہرہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس کی قدرت کے منکرین کی رسوائی کا موجب بھی ہوتا ہے۔ ۳ جس طرح وہ اچھی صورت تخلیق کر سکتا ہے اسی طرح بری صورت بنانے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ وہی نور و ظلمت یعنی مومن کو بھی پیدا کرتا ہے اور کافر کو بھی۔ ۴ کافر اور مومن دونوں اس کی قدرت اور عظمت کو مانتے ہیں اور اپنے اپنے انداز میں اس کے حضور سجدہ کرتے ہیں مومن کا سجدہ خلوص ایمانی کا حامل ہوتا ہے جبکہ کافر کا سجدہ اس خصوصیت سے محروم ہوتا ہے۔

۱

لیک مؤمن وانکہ طوعاً ساجد ست — مرد مؤمن دل سے ہے سجدہ کناں
زانکہ جویائے رضا و قاصد ست — ملتجی اس کی رضا کا ہر زماں

ہست کرہاً گبر ہم یزداں پرست — گبر بھی جبراً جھکائے سر و لے
لیک قصدِ او مرادِ دیگر ست — مدعا ہوتے ہیں اس کے دوسرے

۲

قلعۂ سلطاں عمارت می کند — قلعہ سلطاں بناتا ہے مگر
لیک دعویِ امارت می کند — ہے امیری پر سدا اس کی نظر

گشت باغی تا کہ ملک اُو را بود — سلطنت کے واسطے باغی ہوا
عاقبت خود قلعہ سلطاں را شود — مات کھائی بادشاہ حاوی ہوا

مؤمن آں قلعہ برائے بادشاہ — مدعا مؤمن کا ہے شہ کا جلال
می کند معمور نے از بہرِ جاہ — اپنی شوکت کا نہیں اس کو خیال

زشت گوید اے شہِ زشت آفریں — زشت رو کہتا ہے اے رب جلی
قادری بر خوب و بر زشت مہیں — خوب و بدصورت کا ہے خالق تو ہی

خوب گوید اے شہ حسن و بہا — خوب رو بولا شہ حسن و جمال
پاک گردانیدیم از عیبہا — تو نے ہی مجھ کو بنایا خوش خصال

۱ گبر بھی سجدہ کرتا ہے لیکن خدائے وحدہ لاشریک کے حضور نہیں بلکہ فانی جنس کے سامنے۔ درحقیقت مومن کا سجدہ اختیاری ہے اور کافر کا اضطراری اور اضطراری نہ ایمان معتبر ہے نہ عبادت۔ ۲ اضطراری عبادت کی مثال یوں دی جا سکتی ہے جس طرح ایک شخص بادشاہ کیلئے قلعہ تعمیر کرتا ہے لیکن اس کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ قلعہ بن جانے کے بعد میں وہ اس پر قبضہ کر کے خود حکمرانی کریگا۔ اس کا مقصد ذاتی مفاد ہوتا ہے لیکن جب وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو ذلیل وخوار ہوتا ہے اسی طرح کافر کا اضطراری سجدہ انجام کار بے سود ثابت ہوتا ہے اور اسے خالق حقیقی کا قرب اور بخشش حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوتی۔

حَمدَ لَکَ وَ الشُّکرُ لَک یا ذَالمِنَن　　تو ہے محسن لائق شکر و ثنا
حاضری و ناظری برحالِ مومن　　تو ہمارے حال کو ہے جانتا

1

حاصلِ آں شد کہ ہر آنچہ خواست کرد　　مختصر یہ اس نے جو چاہا کیا
خوب را و زشت راچوں خارو وَرد　　نیک و بد کو خار و گل جیسا رکھا

اُو ست بر ہر بادشا ہے بادشاہ　　حکمرانوں کا بھی ہے وہ حکمراں
کار سازِ یَفعَلُ اللہ مَا یَشَا　　سب کا مالک کار ساز انس و جاں

اے محبِّ مہرباں

2

روز نور و مکسب و تابم توئی　　دن میں میرا نور اور حاصل ہے تو
شب قرارم سلوت و خوابم توئی　　رات کو خواب و سکون دل ہے تو

3

از مروت باشد ارشادم کُنی　　اپنے لطف خاص سے کر شاد کام
وقت بے وقت از کرم یادم کُنی　　یاد فرما چاہے جب بھی صبح وشام

بے نیازی از غمِ من اے امیر　　میرے غم سے تو ہے شاہا بے نیاز
دہ زکاتِ جاہ و بنگر در فقیر　　دے گدا کو خیر اے بندہ نواز

1 اللہ تعالٰی کائنات کا خالق و مالک ہے اور نیک و بد کو اس طرح ساتھ ساتھ رکھتا ہے جس طرح ایک ہی شاخ پر پھول اور کانٹے ہیں تاہم دونوں کی خاصیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔

2 اے میرے پروردگار تیری ہی بدولت اور تیرے ہی کرم سے میری زندگی روشن اور آرام دہ ہے۔

3 اے رب اپنا یہ کرم اسی طرح جاری رکھنا اور مجھے صبح و شام اپنی عنایات سے نوازتے رہنا۔

۱

می نجوید لطفِ عام تو سند — بے سند ہوتا ہے تیرا لطف عام
آفتابے بر حدثہا می زند — مہر سے ناپاک بھی ہیں شاد کام

۲

نورِ او را زاں زیانے نا بدہ — کچھ زیاں پہنچا نہ اس کے نور کو
واں حدث از خشکی ہیزم شدہ — فائدہ پہنچا مگر مقہور کو

۳

تاحدث در گلخنی شد نور یافت — گندگی بھٹی میں تاباں ہوگئی
بر در و دیوارِ حمامے بتافت — اس کے گرد و پیش پھیلی روشنی

۴

بود آلائش شد آرائش کنوں — رشک زینت بن گئی وہ گندگی
چوں بروبر خواند خورشید آں فسوں — کیا فسوں کاری ہے نورم ہر کی

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد — کی زمیں کو شمس نے گرمی عطا
تا زمیں باقی حدثہا را بخورد — تاکہ باقی گندگی بھی ہو فنا

۵

جزو خاکی گشت وشداز وے نبات — خاک میں مل کر اگائیں سبزیاں
ھٰکذا یَمحُو اِلٰہُ السَّیاٰت — یوں مٹاتا ہے گناہ وہ مہرباں

جزو خاکی گشت از وے بار شاد — نور سے مل کر ہوئی مٹی بھی نور
ھٰکَذا یَرْحَم اِلٰہٗ لِلْعِبَاد — مغفرت کرتا ہے یوں رب غفور

۱ اللہ تعالیٰ کے کرم کیلئے کسی کے اچھے یا برے ہونے کی سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ بے نیاز ہے جس پر رب چاہے مہربانی فرمادے۔ جس طرح سورج کی شعاعیں پاک اور ناپاک سب پر پڑتی ہیں۔ ۲ سورج کی گرمی سے گندگی خشک ہوکر ایندھن بن گئی اور ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچا جب کہ اس عمل سے خوف سورج کی روشنی اور گرمی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ۳ گندگی سورج کی گرمی سے خشک ہوکر ایندھن بنی تو سارے حمام گرم ہوئے اور گھروں میں اس کے جلانے سے روشنی ہوئی۔ ۴ سورج کی روشنی سے گندگی بھی پاکیزہ ہوکر آرام و آسائش کا باعث بن گئی۔ یہ سب سورج کی کرم فرمائی ہے۔ ۵ گندگی کو جب کھاد کے طور پر استعمال میں لایا جاتا ہے تو اس سے کھیت میں طرح طرح کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی کا کرشمہ ہے کہ وہ گندگی اور مٹی سے کس قدر خوشنما اور فرحت بخش سبزیاں پیدا کر دیتا ہے۔

با حدث کاں بدتریں است ایں کند
کِشتِ نبات و نرگس و نسریں کند

بدتریں ناپاکیوں پر یہ کرم
دے رہی ہے سبزہ گل کو جنم

۱

تا بہ نسرینِ مناسک در وفا
حق چہ بخشد در جزا و در عطا

گلشن زہد و صفا پہ پھر بھلا
ہوں گے کیا کیا لطف از راہ جزا

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہد
طیبیں را تا چہ بخشد در رسد

جب گناہگاروں پہ ہے اتنا کرم
ہوگا نیکو کار پر کتنا کرم

آں دہد حق شاں کہ لاعَین رَات
کہ نگنجد در زباں و در لُغت

نعمتیں بخشے گا ان دیکھی خدا
خوبیاں جن کی بیاں سے ماورا

۲

ماکیئم ایں را بیان کن یار من
روز من روشن کن از خُلقِ حَسَن

کون ہوں میں اے مرے محسن بتا
زندگی پر نور کر اے خوش ادا

۳

منگر اندر زشتی و مکروہیم
کہ زِ پُر زہرے چو مارِ کوہیم

میرے عیبوں کو برائی کو نہ دیکھ
سانپ جیسی کج ادائی کو نہ دیکھ

۴

ایکہ من زشت و خصالم جملہ زشت
چوں شوم گُل چوں مرا اُو خار کشت

میں براہوں میری ہر خصلت خراب
خار ہوں میں کیسے بن جاؤں گلاب

۱ جب اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ناپاک کھاد اور مٹی اتنی پاک چیزیں پیدا کرسکتا ہے تو پھر پاک و صاف چیزوں پر اس کا کتنا کرم ہوگا یعنی اگر گناہگاروں کو حق تعالیٰ ہر طرح کی نعمتیں عطا کرسکتا ہے تو پھر نیک کاروں پر کس قدر رحمتیں ہوتی ہوں گی۔ جنھیں نہ تو ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی خوبیوں کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ ۲ اے قادرِ مطلق میں اپنی اچھائی اور برائے کو جاننے سے عاجز ہوں تو ہی مجھے اپنے آپ کو پہچاننے کی قدرت عطا فرما۔ ۳ میری برائیوں پر نظر نہ ڈال، میرا باطن تو سیاہ اور گندا ہوں کی زہر سے بھرا ہوا ہے۔ ۴ میں تو کانٹا ہوں مجھ میں کوئی خوبی نہیں تو ہی اپنی نظر کرم سے مجھے پھول بنا سکتا ہے۔ مجھے پھول بنا دے اور سانپ جیسے زہریلے کو ور جیسا حسن عطا کر دے۔

نور بہارا حسنِ گُل دہ خار را　　گل بنا دے خار کو اے گل ادا
زینتِ طاؤس دہ ایں مارا را　　سانپ کو ہو مور کی زینت عطا

[1]

در کمالِ زشتیم من منتہی　　میں برائی میں خطا میں منتہی
لطفِ تو در فضل و در فن منتہی　　تو عنایت اور عطا میں منتہی

[2]

حاجتِ ایں منتہی زاں منتہی　　مُنتہی ہے منتہی سے ملتجی
تو بہ آر اے غیرتِ سروِ سہی　　رحم فرما تو ہے یکتا اور غنی

دستگیرم در چنیں بیچارگی　　دستگیری کر کہ بیچارہ ہوں میں
شاد گردانم دریں غمخوارگی　　شاد فرما درد کا مارا ہوں میں

طبیب

[3]

ایں طبیبان بدن دانشورند　　اہل دانش ہیں طبیبانِ بدن
بر سقام تو ز تو واقف ترند　　جانتے ہیں یہ ترا مرض کہن

ہم زِ نبض وہم زِ رنگ وہم زِ دم　　نبض سے رنگت سے تیری سانس سے
بُو بُرند از تو بہر گونہ سَقَم　　ہر طرح کے درد کو ہیں جانتے

[1] میں برائی کی انتہا پر ہوں اور تو فضل و کرم کی انتہا پر [2] مجھ جیسا انتہائی گناہ گار تجھ جیسے انتہائی رحیم و کریم سے رحم و کرم کی التجا کرتا ہے۔ [3] جس طرح دنیاوی اطبا ظاہری علامتوں کے ذریعے مرض کی تشخیص کر لیتے ہیں اسی طرح روحانی اطبا علامات سے بغیر اپنی روحانی بصیرت سے مرض کو پہچان لیتے ہیں۔

پس طبیبانِ الٰہی در جہاں　　پھر جہاں میں یہ طبیبان خدا
چوں بدانند از تو بے گفتِ وہاں　　کیوں نہ جانیں بن سنے سب ابتلا

ہم زِ نبضت ہم زِ چشمت ہم زِ رنگ　　نبض سے رنگت سے چشم زرد سے
صد سُقم بینند در تو بے درنگ　　ہیں وہ آگہ تیرے ہر اک درد سے

ایں طبیبانِ نو آموزند خود　　بے گماں یہ سب طبیبان جہاں
کہ بدیں آیات شاں حاجت بُود　　دیکھتے ہیں ظاہری رنگ و نشاں

کاملاں از دور نامت بشنوند　　اہل دل سنتے ہی تیرے نام کو
تا بہ قعرِ تار و پُودت در روند　　دیکھ لیتے ہیں ترے ہر کام کو

حالِ تو دانند یک یک مُو بمُو　　جانتے ہیں حال تیرا مو بمو
زانکہ پُر بوند از اسرارِ ہُو　　کیونکہ ان پر ہیں عیاں اسرار ہو

کارِ خیر

[1]

ہیں مگو فردا کہ فرداہا گذشت　　کل پہ مت چھوڑو کہ سب کل ہیں فنا
تا بکلی نگذرد ایّامِ کِشت　　کھو نہ جائے یوں زمانہ کشت کا

[1] اچھے کام کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ جس طرح بیج کو وقت پر کاشت کرنے سے ہی اچھی فصل پیدا ہوتی ہے اسی طرح نیک عمل بھی بروقت کرنا چاہیے تاکہ اسکا اجر مل سکے۔

۱

پند من بشنو کہ تن بندِ قویست   تن کہ اک بند قوی ہے تن ترا
کہنہ بیروں کن گرت میلِ نویست   چھوڑ دو کہنہ جو چاہتے ہو نیا

۲

لب بہ بند و کف پُر زر بَر کشا   ہونٹ سی لو کھول دو دست عطا
بخلِ تن بگذار پیش آور سخا   ترک کر دو بخل اپنا لو سخا

۳

ترکِ لذتہا و شہوتہا سخا ست   چھوڑ حرص و ہوس کا ہے سخا
ہر کہ در شہو فروشد بَر نخاست   جو ہوس کا ہو گیا وہ کھو گیا

۴

ایں سخا شاخست از سروِ بہشت   ہے سخا اک شاخ سروِ خلد کی
وائے اوکز کف چنیں شاخے بہشت   حیف ہے یہ شاخ جس نے چھوڑ دی

عروۃ الوثقیٰ ست ایں ترک ہوا   ترک خواہش راہِ حق ہے بے گماں
برکشد ایں شاخ جاں را برسما   روح کو لے جائے سوئے آسماں

تابرد شاخِ سخا اے خوب کیش   تجھ کو یہ شاخِ سخا اے نیک خو
مرترا بالا کشاں تا اصلِ خویش   عرش پر پہنچا دے وصل خویش

۵

یُوسفِ حسنی و ایں عالم چو چاہ   تو ہے یوسف یہ جہاں ہے اک کنواں
ویں رسن صبر ست بَر اَمرِ اللہ   صبر کر حکم خدا ہے بے گماں

۱ تیرا جسم تیری روح کی راہ میں حائل ہے یعنی خواہشات جسمانی روح کو نیک اعمال سے روکتی ہیں ۔پرانے جسم کی خواہشات کو ترک کر اگر تجھی نے یعنی آخرت میں خوشنما جسم کی خواہش ہے۔ ۲ زبانی باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا نیک اعمال کرنا ضروری ہے۔ ۳ حرص و ہوس کو ترک کرنا جسم کی سخاوت ہے یعنی جسم سے گناہ کی آلودگی دور ہوتی ہے۔ ۴ حضورؐ کی حدیث شریف ہے کہ سخاوت (مالی یا جسمانی) جنت کے درخت کی شاخ ہے۔ جو شخص سخی ہے اس نے اس درخت کی شاخ کو پکڑ لیا اور یہ شاخ اسے جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ ۵ جس طرح یوسف کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا اور وہاں ایک مدت تک قید رہے تھے اسی طرح دنیا بھی ایک کنواں ہے جس میں ہم سب قید ہیں یہ قید صبر و تحمل سے گزارنی ہوگی۔

۱

یُوسفا آمد رسن در زن دو دست — یوسفا رسی خدا کی تھام لے
از رسن غافل مشو بیگہ شد ست — دن ڈھلا اب ہوش سے کچھ کام لے

۲

حمدُ لِلّٰہ کایں رسن آویختند — شکر حق کہ مل گئی راہ نجات
فضل و رحمت را بہم آمیختند — رحمت و عفو و کرم ہیں ساتھ ساتھ

۳

در رسن زن دست بیروں رو زِ چاہ — تھام کر رسی نکل آ چاہ سے
تا بہ بینی بارگاہِ بادشاہ — تاکہ پائے فیض لطف شاہ سے

۴

تا بہ بینی عالم جانِ جدید — اک نئی دنیائے جاں آئے نظر
عالمِ بس آشکار و ناپدید — جو عیاں بھی ہے نہاں بھی سر بسر

۵

ایں جہانِ نیست چوں ہستاں شدہ — ہو گیا ہے عالم فانی عیاں
واں جہانِ ہست چوں پنہاں شدہ — عالم باقی ہے نظروں سے نہاں

۶

خاک بر بادست و بازی می کند — خاک ہے رقصاں ہوا کے دوش پر
کژ نمائی پردہ سازی می کند — پردہ پوشی کر رہی ہے بے خبر

۷

خاک ہمچوں آ لتے در دستِ باد — خاک تو آلہ ہے دست باد میں
باد را داں عالی و عالی نژاد — ہے بجا گر باد کو اعلیٰ کہیں

۱ خدا کے احکامات کی پابندی کرنے سے نجات حاصل ہوگی۔ ۲ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اس نے ہمیں توبہ اور استغفار کی راہ دکھائی جو ہماری نجات کا باعث ہوگی۔ یہ اس کا کرم اور بخشش ہے۔ ۳ اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر دنیا کی کثافتوں سے نجات حاصل کر، تاکہ گناہوں کے کنویں سے باہر نکل سکے اور حق تعالیٰ کی رحمتوں سے فیضیاب ہو۔ ۴ تاکہ تجھے وہ دنیا حاصل ہو جو ظاہر بھی ہے اور پوشیدہ بھی۔ ظاہر اس لئے کہ کلام الٰہی میں اس کی بشارت موجود ہے اور پوشیدہ یوں کہ ہم نے اسے ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا۔ ۵ یہ جہاں جو فانی ہے ہمیں نظر آ رہا ہے اور جسے بقا حاصل ہے وہ ہماری نگاہوں سے چھپا ہوا ہے۔ ۶ جب بگولا اٹھتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ خاک رقصاں ہے حالانکہ اسے حرکت میں لانے والی طاقت ہوا ہوتی ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ اس طرح ہوا اپنی پردہ پوشی کرنا چاہتی ہے۔
۷ خاک تو ہوا کے ہاتھ میں ایک آلہ کی طرح ہے جو ہوا کی وجہ سے حرکت میں آتی ہے۔ بگولے کی حیثیت ہوا سے ہے۔

۱

چشمِ خاکی را بخاک افتد نظر　　چشم خاکی دیکھتی ہے خاک کو
بادبیں چشمے بُود نوع دگر　　اور نگاہ بادبین افلاک کو

۲

ایں کہ برکارست و بیکارست و پوست　　یہ جہان ظاہری کچھ بھی نہیں
وانکہ پنہاں ست مغز واصلِ اُوست　　وہ جہاں غیب ہے اصل یقیں

۳

نورِ حس را نورِ حق تزئین بود　　نورِ حس ہے نورِ حق سے تابناک
معنیِ نورٌ علیٰ نور ایں بود　　ہے یہی قرآن میں ارشاد پاک

نورِ حسی می کشد سوئے ثرٰی　　چشم ظاہر بیں ہے مائل سوئے خاک
نورِ حقش می بُرد سوئے علٰی　　چشم حق بیں دیکھے سوئے ذات پاک

نورِ حسی کو غلیظ است و گراں　　نورِ حسی ہے کثافت کا نشاں
ہست پنہاں در سوادِ دید گاں　　جو ہے آنکھوں کی سیاہی میں نہاں

۴

چونکہ نورِ حس نمی بینی بچشم　　نورِ حس بھی آنکھ سے ہے جب نہاں
چوں بہ بینی نورِ آں غیبی بچشم　　نورِ غیبی دیکھ سکتے ہیں کہاں

نورِ حس با آں غلیظی مختفی ست　　نورِ حس بھی جب نظر آتا نہیں
چوں خفی نبود ضیائے کاں صفی ست　　کیوں نہ ہو پوشیدہ وہ نورِ مبیں

۱ ظاہری آنکھ صرف ظاہری دنیا کو دیکھ سکتی ہے اور صاحب بصیرت کی آنکھ عالم غیب کو دیکھتی ہے۔ ۲ انسان کی آنکھ کی روشنی نورِ بصیرت سے ہیں ہے اور قرآن میں نور "علیٰ" نور کا یہی مطلب ہے۔ ۳ دنیاوی جد وجہد بیکار ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت چھلکے کی سی ہے یعنی حقیقی ہے اصل چیز عالم غیب ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل ہے اسے دیکھنے کیلئے بصیرت قلبی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ۴ جب انسان آنکھ کے نور کو نہیں دیکھ سکتا تو پھر وہ نورِ بصیرت اور نورِ الٰہی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ یعنی عام آدمی اہل اللہ کے مقام و مرتبہ کو پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

۱

این جہاں چوں خس بدستِ بادِ غیب　　　یہ جہاں خس ہے بدست بادِ غیب
عاجزی پیشہ گرفت از دادِ غیب　　　اس کا رنگ عاجزی ہے دادِ غیب

گہ بلندش می کند گاہیش پست　　　وہ کبھی اونچا کبھی نیچا کرے
گہ درستش می کند گاہے شکست　　　وہ کبھی توڑے کبھی یکجا کرے

گہ یمینش می برد گاہے یسار　　　وہ کبھی دائیں کبھی بائیں اٹھائے
گہ گلستانش کند گاہیش خار　　　وہ کبھی کانٹا کبھی گلشن بنائے

گہ بہ بحرش می بُرد گاہیش بَر　　　گاہے بحر اور گاہے بر پر لے کے جائے
گاہ خشکش می کند گاہیش تر　　　گاہے وہ خشک اور گاہے تر بنائے

دست پنہان و قلم بیں خط گذار　　　ہاتھ ہے پنہاں قلم مصروف کار
اسپ در جولان و ناپیدا سوار　　　ہے دواں گھوڑا مگر غائب سوار

تیر پراں بین و ناپیدا کمان　　　تیر چلتا ہے کماں پردے میں ہے
جانہا پیدا و پنہاں جانِ جان　　　جاں عیاں ہے جانِ جاں پردے میں ہے

۲

تیر را مشکن کہ ایں تیرِ شہی ست　　　شاہ کے تیروں سے تو نالاں نہ ہو
نیست پرتابِ زشست آگہی ست　　　علم ہے ہر شے کا تیر انداز کو

۱ یہ جہاں بالغیب یعنی دست قدرت میں تنکے کی طرح ہے اور اس کی یہ حیثیت بھی قدرِ مطلق کی عطا کی ہوئی ہے یعنی اسی کی مرضی و منشیا سے ہے۔ اگلے اشعار میں اس کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ۲ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تکلیف آئیں ان پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اسے ہر بات کی اچھائی اور برائی کا علم ہوتا ہے جب کہ ہم اس سے بے خبر ہوتے ہیں۔

خشمِ خود بشکن تو مشکن تیر را — تیر کو مت توڑ غصہ ترک کر
چشمِ خشمت خوں شمارد شیر را — دھوکہ کھا جاتی ہے غصہ میں نظر

۱

بوسہ دہ بَر تیر و پیشِ شاہ بَر — چوم کر یہ تیر شہ کے در پہ جا
تیر خوں آلودہ از خون تو تر — تیر جو تر ہے ترے خوں سے دکھا

۲

اُنچہ پیدا عاجز و بستہ زبوں — جو ہے ظاہر بے بس و لاچار ہے
وانچہ نا پیدا چنیں تند و حروں — جو ہے پنہاں قادر و جبار ہے

۳

ماشکاریم ایں چنیں دامے کراست — جانے کس کے دام میں ہیں ہم اسیر
گوئے چوگانیم و چوگانے کجاست — گیند ہیں ہم اور چوگاں ناپذیر

۴

می دَرَد می دوزَد ایں خیاط کو — خود سیئے اور خود ہی پھاڑے بخیہ گر
می دمد می سوزد ایں نفاط کو — خود جلائے خود بجھائے شمع بر

ساعتے کافر کند صدیق را — گاہے کافر کو کرے صدیق وہ
ساعتے زاہد کند زندیق را — گاہے زاہد کو کرے زندیق وہ

۵

زانکہ مخلص در خطر باشد مدام — پُر خطر ہے طالب حق کا سفر
تا ز خود خالص نگردد اُو تمام — گر نہ خود بینی سے پائے وہ مفر

۱ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تکالیف آتی ہے انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرکے اس سے صبر و استقامت کی استدعا کرنی چاہیے۔
۲ ظاہری دنیا اور اس کی ہر چیز دستِ قضا کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ جو ہماری آنکھوں سے پنہاں ہے تمام معاملات پر قدرِ مطلق ہے۔ ۳ ہم سب قضا و قدر کے ہاتھ میں اسیر ہیں۔ ہم چوگان کے گیند کی طرح ہیں جسے چوگان کا بلہ جو ہمیں نظر نہیں آرہا جس طرف چاہتا ہے مار پھینکتا ہے۔ ۴ سالک کو راہِ سلوک میں بہت سے خطرات کا سامنا ہوتا ہے تاہم اگر وہ خود بینی سے نجات پا کر حق بینی کو زادِ راہ بنالے تو وہ ان خطرات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ۵ دستِ قضا و قدر سب کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔

۱

زانکہ در راہست و رہزن بیحدست　　اس کی رہ میں راہزن ہیں بے شمار
او رہد کو در امانِ ایزدست　　بچ گیا وہ جس کا حق ہو پاسدار

۲

ہیچ آئینہ دگر آہن نہ شد　　کب بھلا آئینہ پھر آہن بنا
ہیچ نانِ گندمی خرمن نہ شد　　نان گندم پھر کہاں خرمن بنا

ہیچ انگورے دگر غورہ نہ شد　　کب ہوا انگور پک کر پھر سے خام
ہیچ میوہ پختہ با کورہ نہ شد　　کب ہوا ہے کوئی میوہ پک کے خام

۳

پُختہ گرد و از تغیر دور شو　　پختہ ہو رَد کر بدلنے کا چلن
رَد چو برہانِ محقق نور شو　　مثل برہانِ محقق نور بن

۴

چوں ز خود رستی ہمہ برہاں شدی　　جب کیا خود کو فنا برہاں بنے
چوں کہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی　　دل سے جب بندہ کہاں سلطاں بنے

۵

دَر عیاں خواہی صلاح الدین نمود　　کی صلاح الدین نے قائم مثال
دیدہا را کرد بینا و کشود　　کر دیا آنکھوں کو بینا پر جمال

فقر را از چشمِ او سیمائے اُو　　دیکھ ہائے اس کے رخ پر فقر کو
جید ہر چشمے کہ دارد نورِ ہو　　نورِ حق سے آنکھ جو پر نور ہو

۱ راہِ سلوک میں قدم قدم پر گمراہی کا خدشہ ہوتا ہے لیکن جس سالک کو حق نے سہارا دیا اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ۲ جب سالک مراتبِ سلوک طے کر کے مقامِ امن و فنا میں پہنچ جاتا ہے تو کمال حاصل کرنے کے بعد خطرات کا ازالہ ہو جاتا ہے اور وہ نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ صوفیا کا مقولہ ہے الفانی لا یرد یعنی سالک مقامِ فنا میں پہنچ کر پھر رد نہیں ہوتا۔ اس بات کی تائید میں مولانا چند مثالیں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوہا جب آئینہ بن جائے تو وہ پھر لوہا نہیں بن سکتا۔ قدیم زمانہ میں آئینہ لوہے سے بنایا جاتا تھا۔ اسی طرح گندم سے نان بن جائے تو پھر اسے گندم میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور انگور یا کوئی اور میوہ پک کر دوبارہ کچا نہیں بن سکتا۔ ۳ مولانا فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک اختیار کر کے پختہ ہو جاؤ تاکہ تم بدلنے کے عمل سے نجات پاؤ جس طرح برہان الدین محقق نے نجات حاصل کی۔ سید برہان الدین محقق مولانا رومی کے استاد اور مرشد تھے اور ایک بلند پایہ صوفی اور عالمِ دین۔ ۴ جب تم نے خودی کو مٹا دیا تو سراپا سید برہان الدین بن گئے یعنی مقامِ فنا حاصل کر لیا جب تم نے دل سے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہا تو سلطان بن گئے یعنی مقامِ سلوک پا لیا۔ ۵ صلاح الدین زرکوب مولانا کے مرید تھے لیکن مولانا ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

۱

شیخ فعالست بے آلت چو حق — مثل حق ہے مرد حق بھی کامراں

با مریداں دادہ بے گفتے سبق — درس دیتا ہے وہ بے حرف و بیاں

۲

دل بدستِ او چو مومِ نرم رام — دل ہے اس کے ہاتھ میں بے اختیار

مُہرِ او کہ ننگ سازد گاہ نام — عزت و ذلت کا ہے جو پاسدار

۳

ایں صدا در کوہِ دلہا بانگِ کیست — گونجتی ہے دل میں یہ کس کی صدا

گہ پُرست از بانگ کہ گاہے تہی ست — اس سے دل خالی کبھی پر مرحبا

ہر کجا ہست اُو حکیم ست اُو ستاد — یہ صدا ہے علم و عرفاں کی صدا

بانگِ او زیں کوہِ دل خالی مباد — یہ صدا یا رب نہ ہو دل سے جدا

۴

ہست کہ کاوہ مثنیٰ می کند — یہ صدا دو چند ہوتی ہے کہیں

ہست کہ کا واز صد تا می کند — اور کہیں صد ہا گنا کیف آفریں

۵

می رہاند کوہ زاں آواز و قال — یہ صدا کرتی ہے کہ سے بے گماں

صد ہزاراں چشمۂ آبِ زلال — تیز پانی کے کئی چشمے رواں

۶

چوں زکہ آں لطف بیروں می شود — اس صدا سے کوہ جب خالی ہوا

آبہا در چشمہا خوں می شود — چشمہ چشمہ تازہ پانی خوں بنا

۱ مرد کامل اپنے تصرف سے مرید کی باطنی تربیت کرتا ہے۔ ۲ شیخ کے تصرف سے کبھی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو باعث ننگ ہوتی ہے اور کبھی ایسی جو عزت واحترام کا موجب بنتی ہے۔ ۳ شیخ کے دل میں یہ کس کی آواز کی گونج ہے جس سے کبھی ہمارے دل گونج اٹھتے ہیں اور کبھی ہماری غفلت کے باعث خالی ہوجاتے ہیں۔ ۴ انسان کے دل میں صدائے ربانی اس کے زہد وتقویٰ کے مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے۔ ۵ شیخ کامل کی توجہ سے مرید کے دل میں اسرار ورموز کے کئی چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ۶ فیض باطنیہ کے بند ہوجانے سے دل معارف الٰہی سے محروم ہوجاتا ہے اور ان کی جگہ کفریہ خیالات جنم لیتے ہیں۔

١

زاں شہنشاہ ہمایوں نعل بود　　فیض تھا اس شاہ پر اکرام کا
کہ سراسر طور سینا لعل بود　　طور سینا لعل کامل بن گیا

٢

جاں پذیرفت و خرد جازائے کوہ　　کوہ نے جب نور حق کو پالیا
ما کم از سنگیم آخر اے گروہ　　ہم بھلا اس کوہ سے بھی کم ہیں کیا

٣

نے زجاں یک چشمہ جوشاں می شود　　چشمہ جاں کیوں نہیں ہے موجزن
نے بدن از سبز پوشاں می شود　　رشک گلشن کیوں نہیں تیرا بدن

٤

نے صدائے بانگ مشتاقی درد　　کیا ہوئی اس کی صدائے مست مست
نے صفائے جرعۂ ساقی درد　　کیا ہوئی اس کی مے ناب الست

٥

کو حمیت تا ز تیشہ وز کلند　　تیشہ لو، اٹھو حمیت کیا ہوئی
ایں چنیں کہ را بکلی سر کنند　　کھود ڈالو بیخ سے کوہِ قوی

٦

بو کہ بر اجزائے او تا بد مہے　　کیا عجب ہوں اس کے ذرے ماہتاب
بو کہ در وے تاب خوریا بد رہے　　کیا عجب ہوں اس کے ذرے آفتاب

٧

چوں قیامت کوہہا را بر کند　　جب پہاڑوں کو اکھاڑے گی قیام
پس قیامت ایں کرم را کے کند　　یہ کرم دکھلا نہ پائے گی قیام

١ یہ اشارہ ہے شام میں کوہ طور پر ذات باری کی تجلی پڑنے کی طرف جہاں موسیٰ علیہ اسلام خداوند تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ٢ مولانا فرماتے ہیں کہ جب پہاڑ نے حق تعالیٰ کی تجلی قبول کرلی تو پھر انسان جو اشرف المخلوقات ہے اپنے اندر یہ تجلی قبول کرنے کی صلاحیت کیوں پیدا نہیں کرسکتا۔ ٣ تمہاری جان یاد الٰہی سے کیوں لبریز نہیں اور تمہارا جسم خدا کی عبادات سے کیوں نہیں مہک رہا۔
٤ تمہارا دل کیوں تمام خوبیوں سے محروم ہوگیا ہے ٥ مولانا پوچھتے ہیں کہ تم یاد الٰہی کی محرومی سے کیوں اس قدر مغلوب ہوگئے ہو۔ اٹھو اور مجاہدہ کے تیشے سے گناہوں کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردو۔ ٦ یہ ممکن ہے کہ اس کے ذرے آفتاب حقیقت کے نور سے چمک اٹھیں۔ یعنی مجاہدہ کی برکت سے زندگی بدل جائے۔ ٧ قیامت پہاڑوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا لیکن مجاہدہ سے بدن کے پہاڑ کو اکھاڑ پھینکنے سے زندگی فیض ربی سے مستفیض ہوگی۔

۱

ایں قیامت زاں قیامت کے کم ست — یہ قیامت اس سے کچھ کمتر ہے کیا

آں قیامت زخم واں چوں مرہم ست — وہ قیامت درد ہے اور یہ دوا

۲

ہر کہ دید آں مرہم از زخم ایمن ست — اس دوا سے درد بھی درماں بنے

ہر بدے کایں حسن دید اُو محسن ست — پر خطا بھی صاحب احساں بنے

۳

اے خنک زشتے کہ خوبش شد حریف — اے خوشا جب بد کا ہو اچھا رفیق

وائے گلروئیکہ جفتش شد خریف — وائے وہ گل جو ہو پت جھڑ کا رفیق

۴

ہیزم تیرہ حریف نار شد — کالا ایندھن آگ کا ساتھی بنا

تیرگی رفتہ و ہمہ انوار شد — کالا پن جاتا رہا نوری بنا

صِبْغَۃ اللہ ہست رنگِ خُمِ ہُو — رنگ ہے اللہ کے خم کا بہتریں

پیسہا یک رنگ گردد اندرُو — اس میں ہوں بد رنگ بھی خوشتر حسین

چوں در آں خُم اُفتد و گویش قُم — جو گرا اس خم میں وہ بے اختیار

از طرف گوید منم خُم لا تلُم — میں ہی خم ہوں کہہ اٹھا مستانہ وار

۱ قیامت سے تباہی آئے گی جب کہ اس قیامت سے یعنی بدن کے پہاڑ کو مجاہدہ سے تو بالا کرنے سے زندگی گناہوں کے درد سے نجات پائے گی۔ ۲ جس نے مجاہدہ سے مقام فنا حاصل کرلیا وہ روز قیامت کے مصائب سے محفوظ ہوگیا۔ (مرہم مقام فنا اور زخم، قیامت کے دن کی مشکلات) اور جس نے برے نے یہ مرتبہ حاصل کرلیا وہ خوبیوں والا بن گیا۔ ۳ وہ انسان خوش قسمت ہے جس کسی صالح کا ساتھی بن جائے اور افسوس ہے اس پر، بروں کی صحبت جس کا مقدر ہو۔ ۴ اب مولانا مثالوں کے ذریعے اچھی اور بری صحبت کے اثرات کی توضیح کرتے ہیں فرماتے ہیں، سیاہ ایندھن آگ کا ساتھی بنا تو سراپا نور (روشن) ہوگیا اللہ کے خم میں جو بھی گرا وہ خوش رنگ ہو کر نکلا اور اس کے تمام داغ دھبے دھل گئے قرآن پاک میں ارشاد ہے صبغۃ اللہ ومن احسن منہ اللہ صبغۃ" اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے یعنی جو اللہ کے رنگ میں رنگ گیا اسے سے بہتر رنگ والا کوئی نہیں اور وہ اس رنگ پر کسی کی ملامت کو پسند نہیں کرتا۔

[۱]

آں منم خُم خود آنا لحق گفتن ست　　　میں ہی خم ہوں ہے آنا لحق کی صدا
رنگِ آتش وارد اِلّا آہن ست　　　ہے یہ لوہا ظاہراً آتش نما

رنگِ آہن محوِ رنگِ آتش ست　　　رنگ لوہے کا ہوا جب آتشیں
زآتشی می لا فد و خامش وش ست　　　اس پہ نازاں ہو گیا وہ بے یقیں

چوں بسرخی گشت ہمچوں زرِّ کاں　　　جب ہوا سرخی سے لوہا زر نما
پس آنا النّار ست لافش بے زباں　　　آگ ہوں میں فخر سے کہنے لگا

[۲]

شد ز رنگ و طبع آتش محتشم　　　جب وہ رنگ و طبع میں آتش بنا
گوید اُو من آتشم من آتشم　　　آگ ہوں میں آگ ہوں میں کہہ اٹھا

آتشم من بر تو گرشد مُشتبہہ　　　آگ ہوں میں گر نہیں تجھ کو یقیں
روئے خود بر روئے من یکدم بنہ　　　میری پیشانی پہ رکھ اپنی جبیں

[۳]

آدمی چوں نور گیرد از خدا　　　جب کسی میں نورِ حق ہو جلوہ ریز
ہست مسجود ملائک زِ اجتبا　　　ہوں ملائک بھی ادب سے سجدہ ریز

[۴]

نیز مسجود کسے کُو چوں ملک　　　اس کا بھی مسجود بن جاتا ہے وہ
رَستہ باشد جانش از طغیان و شک　　　جو ملائک کی طرح بے عیب ہو

[۱] انسان مقامِ فنا میں پہنچ کر جب خدائی رنگ میں رنگ جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو خم کہنے لگتا ہے یہی صورت منصور حلاج کی تھی جس نے مقامِ فنا میں پہنچ کر میں حق ہوں کا نعرہ لگایا تھا۔ لوہا آگ میں رہنے سے آگ کی طرح آتشیں ہوجاتا ہے اور خود کو آگ سمجھنے لگتا ہے۔

[۲] جب اہل اللہ فنافی الذات ہوکر اخلاقِ خداوندی سے فیضیاب ہوتے ہیں تو مظہر نورِ خدا بن جاتے ہیں اور اہل دنیا کو آنا الحق کی دعوت دیتے ہیں۔

[۳] جب انسان میں اخلاقِ خداوندی پیدا ہوجاتا ہے تو وہ ملائکہ کے احترام کے قابل ہوجاتا ہے۔ [۴] اور صالحین بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔

۱

آتشے چہ آہنے چہ لب بہ بند　　چھوڑ دے اب آگ اور لوہے کی بات
ریش تشبیہ مشبہ بَر محمد　　ماورا تشبیہ سے ہے اس کی ذات

۲

پائے در دریا منہ کم گو ازاں　　یہ تو دریا ہے نہ دکھ اس میں قدم
بر لب دریا خمش کن لب گزاں　　ہونٹ سی خاموش رہ اے محترم

۳

گرچہ صد چوں من ندارد تاب بحر　　گو کہ لا سکتا نہیں میں تاب بحر
لیک می نہ شکیبم از غرقاب بحر　　ہے تڑپ دل میں رہوں غرقاب بحر

۴

جان و عقل من فدائے بحر باد　　بحر پر ہوں میرے عقل و جاں نثار
خونبہائے عقل و جاں این بحر داد　　اس نے بخشے ہیں اسی پر ہوں نثار

گفتگو بین مجنون وخویشاوندان اوراجع بہ حسن لیلیٰ

(مجنوں اور اس کے اقارب کے درمیان حسن لیلیٰ کے بارے میں گفتگو)

ابلہاں گفتند مجنوں را ز جہل　　چند نادانوں نے مجنوں سے کہا
حسن لیلیٰ نیست چنداں ہست سہل　　حسن لیلیٰ کچھ نہیں ہے عام سا

بہتر از وے صد ہزاراں دلربا　　شہر میں ہیں اس سے بہتر دلربا
ہست ہمچوں ماہ اندر شہر ما　　خوبصورت ماہ وش نازک ادا

۱ گزشتہ اشعار میں بات سمجھانے کی غرض سے ذات خدا کو آگ سے تشبیہ دی اب فرماتے ہیں کہ وہ تو خالق ہے اسے کسی مخلوق سے کیونکر تشبیہ دی جا سکتی ہے لہٰذا بہتر ہے کہ اس بحث کو ختم کیا جائے۔ ۲ مولانا فرماتے ہیں کہ ذات وصفات کا ذکر تو بحر بیکراں ہے اس میں داخل نہ ہونا ہی بہتر ہے اس لئے کہ اس کی تہہ تک پہنچنا انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔ ۳ مولانا فرماتے ہیں مجھ جیسے سینکڑوں علما بھی مل جائیں تو اس بحث کا احاطہ نہیں کر سکتے تاہم ذات وصفات کا ذکر کئے بغیر صبر بھی نہیں آتا۔ ۴ مولائے روم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مجھے عقل وجان کے ذریعے دین و دنیا کی بے انتہا نعمتیں اور فضیلتیں عطا کی ہیں اس لئے اب میں عقل وجان اس پر نثار کروں یعنی اس کیلئے وقف کر دوں تو کوئی حرج نہیں۔

نازنیں تر زُو ہزاراں حور وَش　　نازنیں اور پیکر حسن و جمال
ہست بگزیں زاں ہمہ یکبار خوش　　جس کو چاہے چن سبھی ہیں بے مثال

وارہاں خود را و ما را نیز ہم　　تا کہ اس بندھن سے مل جائے نجات
از چنیں سودائے زشتِ مُتّہم　　عشق کی تہمت سے سب پائیں برأت

[1]

گفت صورت کوزہ است و حسن مے　　قیس بولا حسن مے صورت ہے جام
مے خدا یم می دہد از ظرفِ وے　　مجھ کو رب کرتا ہے اس سے شاد کام

مرشما را سرکہ داد از کوزہ اش　　اور دیا سرکہ تمہیں اس جام سے
تا نبا شد عشق اوتاں گوش گش　　تم رہے محروم اس انعام سے

[2]

از یکے کوزہ دہد زہر و عسل　　کوئی پائے زہر کوئی شہد لیک
ہر یکے را دست حق عز و جل　　کیا عجب ہے جام بھی ساقی بھی ایک

کوزہ می بینی ولیکن آں شراب　　جام تو آئے نظر لیکن شراب
روئے ننماید بچشمِ نا صواب　　بے ہنر آنکھوں سے کرتی ہے حجاب

[3]

قاصرات الطرف باشد ذوقِ جاں　　حور جنت کی طرح یہ ذوق جاں
جز بخصمِ خویش ننماید نشاں　　غیر کے محفل سے ہے دامن کشاں

[1] قیس کے دوست اسے کہتے ہیں کہ لیلیٰ عام سی صورت رکھتی ہے اسے چھوڑ کر کسی دوسری خوبصورت لڑکی کا انتخاب کرنا تاکہ تم اس الزام سے چھٹکارا پاؤ کہ ایک معمولی شکل وصورت والی کے عشق میں مبتلا ہو۔ تو قیس کہتا ہے جسم تو جام کی طرح اور اس میں حسن مے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس مے سے سرشار کرتا ہے جس سے تم سب محروم ہے۔ [2] اب مولانا عشق معرفت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جام تو ایک ہی ہے لیکن اس کی مے سے کسی کیلئے شہد ہے اور کسی کیلئے زہر [3] جام میں جو شراب ہے اس کی تاثیر سے ہر کوئی بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے ذوق اور حسن طبع کی ضرورت ہے۔ جنت کی حور ہر کسی کو نظر نہیں آسکتی۔

[1]

قاصرات الطرف باشد آں مدام　　عشق کی مے حور جنت کی طرح
ویں حجاب ظرفہا ہمچوں خیام　　پردہ کش ہے خم میں راحت کی طرح

[2]

صورتِ ہر نعمتے و محنتے　　ہے جدا صورت ہر اک انعام کی
ہست ایں را دوزخ اُنرا جنتے　　نور ہے گاہے تو گاہے ناز بھی

[3]

زہر باشد مار را ہم قوت و بُرگ　　زہر سے ہی سانپ پائے زندگی
غیرِ اُو را زہر او درد ست و مرگ　　اور انسان کی جائے زندگی

پس ہمہ اجسامِ اشیاء تُبصِرُونَ　　دیکھتے ہو تم جو سب چیزیں یہاں
اندرو قوت ست و سم لا تُبصِرُونَ　　زہر بھی ہے رزق بھی ان میں نہاں

ہست ہر جسمے چو کاسہ و کوزہ　　جسم ہیں مانند جام و خم سبھی
اندرو ہم قوت و ہم دل سوزہٖ　　ان میں جاں پرور بھی ہیں جاں سوز بھی

[4]

کاسہ پیدا اندرو پنہاں رَغَدُ　　جام ظاہر ہے مگر مستی نہاں
طاعمش داند کزاں چہ می خورد　　لذات بادہ ہے میکس پر عیاں

[5]

صورتِ یوسف چو جامے بود خوب　　تھی حسیں یوسف کی صورت مثل جام
زاں پدر می خورد صد بادہ طروب　　باپ مے پیتا تھا اس سے صبح و شام

[1] شراب عشق کی مستی حور جنت کی طرح موجود ہے لیکن اس سے ہر کوئی راحت حاصل نہیں کر سکتا۔ [2] جس طرح ایک چیز کسی کیلئے سود مند ہے تو کسی اور کیلئے نقصان دہ یہی صورت عشق کی ہے۔ [3] سانپ کا زہر سانپ کیلئے قوت کا ذریعہ ہے اور انسان کیلئے موت کا [4] جام تو سب کو نظر آتا ہے لیکن اس میں جو مستی ہے اس کا اندازہ صرف بادہ کش ہی کر سکتا ہے دوسرے اس مستی کو محسوس نہیں کر سکتے۔ عشق الٰہی کی لذت سے صرف وہی فیضیاب ہوتے ہیں جو محبوب حقیقی کی محبت سے سرشار ہوں۔ [5] اب مولانا حضرت یوسف کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی صورت جام کی سی تھی اور اس کے والد حضرت یعقوب دن رات تصور میں اسی جام سے اس کے حسن کی شراب پیتے تھے۔

۱

بازخواں را ازاں زہراب بُود　　بھائیوں کے واسطے زہراب تھی
کاندر ایشاں زیرِ کینہ میفزود　　بغض و کینے کا بھیانک خواب تھی

باز از وے مر زلیخا را شکر　　اور زلیخا کیلئے وہ انگبیں
می کشید از عشق افیونِ دگر　　عشق کی مستی سے تھی کیف آفریں

غیرِ آں چہ بود مر یعقوب را　　دیدۂ یعقوب کی تھی روشنی
بُود از یوسف غذا آں خوب را　　اور زلیخا کیلئے اک زندگی

گونہ گونہ شربت و کوزہ یکے　　گونا گوں مے لیک پیمانہ ہے ایک
تا نماند در مے غیبت شکے　　میکشو دیکھو تو میخانہ ہے ایک

۳

بادہ از غیب ست و کوزہ زیں جہاں　　بادہ آفاقی ہے خُم خاکستری
کوزہ پیدا بادہ در وے بس نہاں　　خُم ظاہر ظاہر مے نہاں اے مشتری

بس نہاں از دیدۂ نا محرماں　　وہ نگاہِ بے ہنر سے ہے نہاں
لیک بر محرم ہویدا و عیاں　　اور نگاہِ با ہنر پہ ہے عیاں

۴

يَا اِلٰهِي سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا　　اے خدا مدہوش ہیں آنکھیں مری
فَاعْفُ عَنَّا اُثْقِلَتْ اَوْزَارُنَا　　رحم کر بارِ گناہ ہے منتہی

۱ حضرت یوسف کے حسن کی شراب بھائیوں کیلئے زہر تھی اور زلیخا کیلئے شہد تھی۔ یوسف کا قصہ قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے ان اشعار میں اسی کا حوالہ ہے۔ ۲ صورتیں جدا جدا اور ان کے حسن کے پرتو کا انداز مختلف سہی لیکن ان کا سرچشمہ ایک ہے۔ ۳ حسن کی شراب آسمانی ہے اور پیالہ یعنی جسم خاکی ہے اسی لئے پیالہ تو دکھائی دیتا ہے لیکن شراب کو دیکھنے اور اس کی کیف آفرینی سے بہرہ ور ہونے کیلئے نورِ بصیرت کی ضرورت ہے۔
۴ آخری اشعار میں مولانا بارگاہِ ایزدی میں التجا کرتے ہیں کہ میری آنکھیں گناہوں سے مدہوش ہیں اور گناہ کا بوجھ بے اندازہ ہے۔

۱

يَا خَفِيًّا قَدْ مَلَأْتَ الْخَافِقَيْن　　اے خفی اے مشرق و مغرب کے نور
قَدْ عَلَوْتَ فَوْقَ نُورِ الْمَشْرِقَيْن　　سب سے روشن تیرے جلووں کا ظہور

۲

أَنْتَ سِرٌّ كَاشِفٌ أَسْرَارَنَا　　راز یکتا کاشف اسرار تو
أَنْتَ فَجْرٌ مُفْجِرٌ أَنْهَارَنَا　　صبح روشن مالک انہار تو

۳

يَا خَفِيَّ الذَّاتِ مَحْسُوسَ الْعَطَا　　تو خفی ہے اور غنی والا صفات
أَنْتَ كَالْمَاءِ وَ نَحْنُ كَالرَّحَا　　تو ہے دریا ہم ہیں پن چکی کے پاٹ

أَنْتَ كَالرِّيحِ وَ نَحْنُ كَالْغُبَارْ　　تو ہوائے خوش ادا ہم ہیں غبار
تَخْتَفِي الرِّيحُ وَ غَبْرَاهُ جِهَارْ　　تو چھپا ہے تو ہم ہیں آشکار

۱ اللہ تعالیٰ کی ذات مخفی ہے لیکن ساری کائنات اس کے جلووں سے منور ہے اور اس کے دست قدرت کے کمال گوناگوں صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

۲ ذات الٰہی ایک راز ہے جسے انسان سمجھنے سے قاصر ہے لیکن وہ ذات ہمارے سب رازوں سے آگاہ ہے۔

۳ ذات حق کی عنایت سے ہی ہماری زندگی میں حرکت ہے۔ جس طرح دریا کے پانی سے پن چکی کے پاٹ حرکت میں رہتے ہیں۔ آئندہ اشعار میں مولانا مختلف مثالیں دے کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات میں سب کچھ اللہ کے دست قدرت سے وجود میں آتا ہے اور اسی کی عنایت سے رواں دواں ہے۔

داستانِ پیر چنگی

بوڑھا چنگ نواز جو حضرت عمرؓ کے عہد میں بیکسی کی حالت میں چنگ بجاتا تھا

این شنید ستی کہ در عہدِ عمرؓ   ذکر ہے حضرت عمرؓ کے عہد کا
بود چنگی مطربے با کر و فر   تھا کہیں اک چنگ نواز خوش ادا

بلبل از آوازِ اُو بے خود شدے   بلبلیں اس کی صدا سے مست مست
یک طرب ز آوازِ خوبش صد شدے   مستیاں اک اک نوا سے مست مست

مجلس و مجمع دمش آراستے   محفلیں تھیں اس کے نغموں سے حسیں
و ز نوائے او قیامت خاستے   اس کے نغمے تھے قیامت آفریں

ہمچو اسرافیل کا وازش بفن   مثل اسرافیل ہو کر نغمہ خواں
مردگاں را جاں در آرد در بدن   پھونکتا تھا وہ تن مردہ میں جان

[1]

اولیاء را در دروں ہم نغمہاست   اولیاء ہیں نغمہ عرفاں سے مست
طالباں رازاں حیات بے بہاست   طالب حق ان کے حسن جاں سے مست

[1] یہاں سے مولانا اصل داستاں سے گریز کرتے ہوئے عارفانِ حق کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نغمہ عرفاں کو وہی سن اور سمجھ سکتا ہے جس کا دل نورِ معرفت سے روشن ہو اور جو نغمہ معرفت کی زبان سے واقف ہے۔

۱

نشنود آں نغمہا را گوشِ حس
کز ستمہا گوشِ حس باشد نجس

حرف دنیا سے نجس ہیں جس کے کان
ایسے نغموں کا نہیں وہ قدر دان

۲

نشنود نغمہ پری را آدمی
کو بود زِ اَسرارِ پریاں اعجمی

کیا سنے پریوں کا نغمہ آدمی
جب نہ ہو ان کی زباں سے آگہی

گرچہ ہم نغمہ پری زیں عالم است
نغمہٴ دل برتر از ہر دو دَم است

نغمہ پریوں کا ہو یا انسان کا
نغمہ دل سب سے برتر اور جدا

سورۂ رحمٰں بخواں اے مبتدی
تا شوی بہ سِرِّ پریاں مُہتدی

سورۂ رحمٰن پڑھ اے متبدی
ہوگی اسرار نہاں سے آگہی

۳

مَعْشَرَ الْجِنّ سورۂ رحمٰں بخواں
تَسْتَطِیْعُوا تَنْفِذُو را باز داں

مَعْشَرَ الْجِنّ سورۂ رحمٰن میں پڑھ
تَسْتَطِیْعُوا تَنْفِذُو کو بھی سمجھ

۴

نغمہ ہائے اندرون اولیاء
اَوَّلاً گوید کہ اے اجزاء لا

اولیاء کے دل سے اٹھے جو صدا
وہ تجھے پیغام دے تو ہے فنا

۱ جو دنیاوی باتیں سن کر لطف اٹھاتے ہیں وہ نغمہ عرفاں سے محظوظ نہیں ہوسکتے۔

۲ جو نغمہ معرفت کے الفاظ و بیاں سے ہی نا آشنا ہو وہ اُس کے معنی کو کب سمجھ سکتا ہے۔

۳ سورۃ رحمٰن میں ارشاد ہے کہ "اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تم سے ہوسکے کہ تم آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤں (اور ہم سے بچ جاؤ) تو نکل جاؤ۔ نہ نکلو گے مگر زور سے" یعنی وہ کسی صورت بھی حق تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں ہوسکتے اس لئے کہ تمام کائنات قادر مطلق کی تابع فرمان ہے۔

۴ اولیاء کرام کے ارشادات دنیا کی بے ثباتی کا پیغام دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ انسان اس دار الفنا کا ایک جزو ہے۔

۱

اے ہمہ پوشیدہ در کون و فساد　　اے جہاں کے بیش و کم میں مبتلا
جانِ باقی تاں نروید و نزاد　　روح باقی ہے نہیں اس کو فنا

۲

کارِ ایشان ست زاں سوئے پرے　　سرِّ کارِ اولیاء پائے گا تو
گر ددت روشن چو جوئی رہبرے　　جب کسی رہبر کی ہوگی جستجو

گر بگویم شمۂ زاں نغمہا　　گر سناؤں حق کے نغموں کا بیاں
جانہا سر بر زنند از دخمہا　　جی اٹھیں قبروں سے مُردے بے گماں

۳

گوش را نزدیک کن کاں دور نیست　　گوشِ دل سے ایسے نغموں کو سنو
لیک نقلِ آں بتو دستور نیست　　اُن کو سننا گر ترا دستور ہو

۴

ہیں کہ اسرافیل و قتند اولیاء　　سن کہ اسرافیل دوراں ہیں ولی
مُردہ را زیشاں حیات ست و نما　　مُردہ تن کو بخشتے ہیں زندگی

۵

جانہائے مُردہ اندر گور تن　　مردہ جانیں گورِ تن میں زار زار
برجہد ز آوازِ شاں اندر کفن　　ہیں صدائے اولیاء سے بے قرار

۱ اے کاروبارِ ہستی میں کھوئے ہوئے انسان تو دنیاوی کاموں میں اس قدر گم ہے کہ تیری روح ان حقائق سے نا آشنا رہی جن سے بقا حاصل ہوتی ہے۔ ۲ تو اولیاء کے اسرار و رموز کو اس وقت سمجھ سکے گا جب کسی مردِ کامل کی جستجو کرکے اس کی صحبت سے فیضیاب ہوگا۔
۳ اگر تم گوشِ دل کھلے رکھو تو نغماتِ عرفاں تم سے دور نہیں یقیناً سن سکو گے لیکن انہیں سننے کیلئے کوشاں ہونا پڑیگا۔ انہیں بغیر سعی یعنی زہد و تقویٰ کے سننا ممکن نہیں۔ ۴ جس طرح قیامت میں صورِ اسرافیل سے مردہ تن زندہ ہو جائیں گے اسی طرح اولیاء کے فرمودات سے دل مردہ زندگی پاتے ہیں۔ ۵ جسم انسان ایک قبر کی مانند ہے جس میں روح ایک مردہ کی طرح بند ہوتی ہے لیکن اولیاء کی آواز جو پیغامِ الٰہی دیتی ہے اسے حیات نو بخشتی ہے۔

۱

گوید ایں آوازِ آواہا جداست	یہ صدا ہے سب صداؤں سے جدا
زندہ کردن کارِ آوازِ خداست	زندگی دیتی ہے آواز خدا
چوں ز صوت اولیاء آگاہ شوند	ہو کے صوت انبیاء سے آشنا
از طرب گویند چوں بارہ شوند	راہ حق پایا تو خوش ہو کر کہا

۲

ما بُمردیم و بکلی کاستیم	مضمحل تھے مر چکے تھے ہم مگر
بانگِ حق آمد ہمہ برخاستیم	جی اٹھے سن کر صدائے ذی قدر

۳

اے فنا تاں نیست کردہ زیر پوست	تم ہوئے دست فنا سے بے نشاں
باز گردید از عدم ز آوازِ دوست	لوٹ آؤ سن کے صوت مہرباں

۴

مطلق آں آواز کہ از شہہ بُود	ہے حقیقت میں وہ آواز خدا
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بُود	گو کہ ہے وہ سا کے بندے کی صدا

۵

گفتِ اُورا من زباں و چشمِ تو	میں تری چشم و زباں حق نے کہا
من حواس و من رضا و خشمِ تو	میں ہی تیری ناخوشی ہوش و رضا

۶

رَو کہ بِی یَسْمَع و بِی یُبْصِرُ توئی	میری ہی قدرت سے دیکھو اور سنو
سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی	رازداں کیوں راز ہی بن کر رہو

۱ اولیاء کی آواز پیغام حق سناتی ہے لہٰذا یہ آواز خدا ہے جو مردہ دلوں کو زندگی عطا کرتی ہے۔ ۲ روح انسان کہتی ہے کہ ہم مردہ ہو چکے تھے لیکن اولیاء اللہ سے نام حق سن کر دوبارہ زندہ ہو گئے۔ ۳ انسان اگر دنیا کا ہو جائے تو وہ فنا ہو جائے گا لیکن اگر وہ پیغام حق سن کر اس پر عمل پیرا ہو تو اسے بقا حاصل ہو گی۔ ۴ اہل خدا کی باتیں ذکر خدا سے معمور ہوتی ہیں اس لئے ان کا قول درحقیقت قول حق کی بازگشت ہوتی ہے۔ ۵ حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جب بندہ سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ یعنی بندگان خاص کا قول و فعل اور خوشی و ناخوشی رضائے الٰہی کی عکاس ہوتی ہے۔

۶ قادر مطلق کا ارشاد ہے کہ جو میرا ہو گیا وہ میرے ذریعہ سنے گا اور میرے ذریعہ دیکھے گا۔ وہ رازداں نہیں بلکہ خود سراپا راز الٰہی ہو گا یعنی تمام اسرار الٰہیہ اس پر عیاں ہوں گے۔

[1]

مطربے کز وے جہاں شد پُرطرب   وہ مغنی جس سے دنیا نغمہ بار
رُستہ ز آوازش خیالاتِ عجب   جس کے نغموں سے تخیل پر بہار

از نوائش مرغ دل پراں شدے   مرغ دل اس کی صدا سے نغمہ خواں
وز صدائش ہوشِ جاں حیراں   منتشر اس کی نوا سے ہوشِ جاں

چوں بر آمد روزگارش پیر شد   عمر کے ڈھلتے ہی پیری آگئی
باز جانش از عجز پشۂ گیر شد   باز جاں پر بھی نقاہت چھا گئی

پشتِ اُو خم گشت ہمچوں پشتِ خُم   جسم میں خم کی طرح خم آگیا
اَبرواں بر چشم ہمچوں پارِ دُم   ابروں کا حسن بھی گہنا گیا

گشت آوازِ لطیف و جانفزاش   اس کی آواز لطیف و جانفزا
ناخوش و مکروہ زشت و دلخراش   ہوگئی بے کیف بے جاں بے مزا

آں نوا کہ رشکِ زہر آمدہ   وہ صدا جو رشک زہرہ تھی کبھی
ہمچو آوازِ خرے پیرے شدہ   اب صدائے خر سے بدتر ہوگئی

خود کدا میں خوش کہ آں ناخوش نشد   کون ہے جس کی خوشی ہے نا تمام
یا کدا میں سقف کاں مفرش نشد   کب کسی چھت کو ہوا حاصل دوام

[1] یہاں سے مولانا چنگ نواز کی داستان پھر سے شروع کرتے ہیں۔

چونکہ مطرب پیر تر گشت و ضعیف   تھا بڑھاپے سے مغنی خوار و زار
شد زبے کسبی رہین یک رغیف   اور بیکاری سے فاقوں کا شکار

گفت عمر و مہلتم دادی بسے   عرض کی بخشی مجھے عمر دراز
لطفہا کر دی خدایا با خسے   اور بہت شفقت بھی کی عاجز نواز

معصیت و زیدہ ام ہفتاد سال   کو کٹی ہے معصیت میں زندگی
باز نگرفتی زِ من روزے نوال   تو نے بخشش کو نہیں روکا کبھی

نیست کسب امروز مہمانِ تو ام   اب ترا مہماں ہے یہ بے ننگ و نام
چنگ بہر تو زنم کانِ تو ام   نغمہ زن تیرے لئے ہے یہ غلام

چنگ را برداشت شد اللہ جُوئے   ساز لے کر طالب راہ خدا
سوئے گورستانِ یثرب آہ جُوئے   آہیں بھرتا سوئے قبرستاں چلا

گفت خواہم از حق اَبریشم بہا   اپنے فن کا حق مانگوں گا صلہ
کہ بہ نیکوئی پذیرد قلب ہا   کھوٹے سکوں کا بھی ہے وہ قدرداں

چنگ زد بسیار و گریاں سرنہاد   ساز چھیڑا دیر تک روتا رہا
چنگ بالیں کرد و بر گورے فتاد   سر رکھا اک قبر پر اور سو گیا

خواب بردش مرغِ جاں از حبس رُست　　نیند میں تن کے قفس سے اس کی جاں
چنگ و چنگی را رہا کرد و بجست　　چنگ و چنگی سے ہوئی دامن کشاں

[1]

گشت آزاد از تن و رنجِ جہاں　　قید تن رنج جہاں سے چھٹ گئی
در جہانِ سادہ و صحرائے جاں　　عالم ارواح میں داخل ہوئے

جانِ اُو آنجا سرایاں ماجرا　　روح اس کی واں ہوئی یوں نغمہ خواہاں
کاندریں جا گر بماندندے مرا　　تا ابد اے کاش رہ سکتی یہاں

خوش بدے جانم ازیں باغ و بہار　　ہے مسرت آفریں یہ گلستاں
مستِ ایں صحرائے غیبِ لالہ زار　　ڈوب کر مستی میں رہتی شادماں

بے پر و بے پا سفر می کردمے　　بے پرو پا میں یہاں کرتی سفر
بے لب و دنداں شکر می خوردمے　　اور کھاتی بے لب و دنداں شکر

ذکر و فکرے فارغ از رنجِ دماغ　　غرق ذکر و فکر ہو کر صبح و شام
کردمے با ساکنانِ چرخِ لاغ　　اہل حق کے ساتھ رہتی شاد کام

چشم بستہ عالمے می دیدمے　　چشم بستہ دیکھتی سارا جہاں
ورد و ریحاں بے کفے بچیدمے　　اور کرتی بن چھوئے گل چینیاں

[1] یہاں سے آگے مولانا چنگ نواز کے روح کی عالمِ ارواح میں پہنچنے اور وہاں اس کی کیفیات واحساست کو بیان کرتے ہیں۔

گر بود وہ چند ایں چرخے کہ ہست	دس گناہ بھی آسمان ہوتا اگر
نیست نزدِ آں جہاں جز تنگ و پست	اُس جہاں کے سامنے ہے تنگ تر
مثنوی در حجم گر بودے چو چرخ	مثنوی جتنی وسیع ہوتی ولے
درنگنجیدے دریں زان نیم بَرخ	تنگ تھی، وہ ذکرِ عقبیٰ کیلئے

۱

ویں جہانے کاندریں خوابم نمود	وہ جہاں جو خواب میں آیا نظر
از کشائش پَر و بالم را کشود	اُس کی وسعت سے کھلے ہیں بال وپَر
ایں جہان و راہش اَر پیدا بدے	اُس جہاں کی خوبیوں کو دیکھ کر
کم کسے یک لحظۂ اینجا بدے	کون رہتا اِس جگہ پر لحہ بھر
اَمر می آمد کہ نِیں طامع مشو	حکم تھا حرص و ہوس کو چھوڑ دو
چوں ز پایت خار بیروں شد بِرو	ترک کر دو غفلتیں آگے بڑھو
مُول مُولے میزد آنجاد جانِ اُو	اس کی روح کہتی تھی رک جاؤ یہیں
در فضائے رحمت و احسانِ اُو	ہے فراواں لطفِ ربِّ العالمیں

۱ چونکہ نوازکی روح عالم ارواح کی وسعت، انوار الٰہی کی فراوانی اور سکون جاودانی سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ واپس آنے کو تیار نہ تھی۔

حضرت عمرؓ کو بارگاہِ حق سے پیر چنگی کی امداد کا حکم

[1]

آں زماں حق بر عمرؓ خوابے بگماشت
تا کہ خویش از خواب نتواست داشت

جب کیا حق نے عمرؓ کو محو خواب
نیند سے وہ کیسے کرتے ہیں اجتناب

در عجب افتاد کیں معہود نیست
ویں زغیب افتاد بے مقصود نیست

اس طرح تو میں کبھی سویا نہیں
ہے یہ سب کچھ غیب سے بے جا نہیں

سر نہاد و خواب بردش خواب دید
کامدش از حق ندا جانش شنید

سر رکھا اور سو گیا تو اس گھڑی
خواب میں اس نے صدائے حق سنی

آں ندائے کاصلِ ہر بانگ ونواست
خود ندا آنست وایں باقی صداست

وہ صدا ہیں سب صدائیں جس کی گونج
اصل ہے وہ اور باقی اس کی گونج

[2]

تُرک و کُرد و پارسی گو و عرب
فہم کردہ آں ندا بے گوش و لب

ترک و کرد و فارس گو اور عرب
اس ندا سے آشنا ہیں سب کے سب

خود چہ جائے ترک وتاجیک ست وزنگ
فہم کردست ایں ندارا چوب وسنگ

ترک و تاجک اور حبشی کے سوا
چوب وسنگ بھی سن چکے ہیں یہ صدا

1 یہاں سے مولانا پھر چنگ نواز کی داستان بیان کرتے ہیں۔
2 اللہ کی آواز جو دل سے سنی جاتی ہے۔ کان اور زبان کے بغیر۔

[1]

ہر دمے از وے ہمی آید اَلَست　　　اس سے گونجے دمبدم عہد الست
جوہر و اغراض می گردند مست　　　جو بنائے انس و جاں کو مست مست

پیر چنگی کو حضرت عمرؓ کا پیغام حق پہنچانا

بانگ آمد مر عمرؓ را کاے عمرؓ　　　پھر عمرؓ کو خواب میں آئی صدا
بندۂ ما را ز حاجت باز خر　　　میرے حاجت مند بندے کو بچا

بندۂ داریم خاص و محترم　　　محترم اور خاص بندہ ہے مرا
سوئے گورستاں تو رنجہ کن قدم　　　اے عمرؓ جا سوئے گورستان جا

اے عمرؓ برجہ زبیت المال عام　　　اے عمرؓ اٹھ اور بیت المال سے
ہفتصد دینار بر کف نہ تمام　　　بے حذر تو سات سو دینار لے

پیشِ اُو بَر کاے تو ما را اختیار　　　اس سے کہنا پیش کرکے یہ رقم
ایں قدر بستاں کنوں معذور دار　　　یہ ہے تیرے واسطے اے محترم

ایں قدر از بہرِ ابریشم بہا　　　ہے یہ تیری ساز کاری کا صلہ
خرج کن چوں خرج شد ایں جا بیا　　　پھر ضرورت ہو تو آنا اس جگہ

[1] ازل میں خداوندکریم نے روحوں سے پوچھا" کیا میں تمہارا خدا نہیں؟" روحوں نے کہا "بلیٰ" یعنی ہاں ـ یہ عہد الست ہے۔

پس عمرؓ زاں ہیبتِ آواز جست	سن کے یہ آواز جاگ اٹھے عمرؓ
تا میاں راہبرِ ایں خدمت بہ بست	اور کمر بستہ ہوئے تعمیل پر
سوئے گورستاں عمرؓ بنہاد رُو	لے کے نقدی سوئے گورستاں چلے
در بغل ہمیاں دواں در جستجو	کونے کونے میں اسے ڈھونڈا کیے
گرد گورستاں دواں شد اُو بسے	چار سو دوڑے پھرے دیکھا مگر
غیرآں پیر اُو ندید آنجا کسے	اک وہی بوڑھا وہاں آیا نظر
گفت ایں نبود دگر بارہ دوید	دل میں سوچا یہ تو ہو سکتا نہیں
ماند گشت و غیر آں پیر اُو ندید	اور کوئی بھی نظر آتا نہیں
گفت حق فرمود ما را بندہ ایست	دل میں سوچا، تھا یہ ارشاد خدا
صافی و شائستہ و فرخندہ ایست	پاک و شائستہ ہے وہ بندہ مرا
پیر چنگی کے بود خاصِ خدا	بوڑھا مطرب اور محبوب خدا
حبذا اے سرِّ پنہاں حبّذا	واہ واہ اے راز یکتا واہ واہ
بارِ دیگر گردِ گورستاں بگشت	چھان مارا پھر سے گورستان کو
ہمچو آں شیرِ شکاری گردِ دشت	جیسے جنگل میں شکاری شیر ہو

چوں یقیں گشتش کہ غیر پیر نیست | تب یقیں آیا کہ اس جا ہے وہی
گفت در ظلمت دلِ روشن بسے ست | ظلمتوں میں ہیں دل روشن کئی

آمد و باصد ادب آنجا نشست | آئے اور باصد ادب بیٹھے مگر
بر عمرؓ عطسہ فتاد و پیر جست | جاگ اٹھا وہ جیسے ہی چھینکے عمرؓ

مر عمرؓ را دید و ماند اندر شگفت | دیکھ کر ان کو بہت حیراں ہوا
عزمِ رفتن کرد و لرزیدن گرفت | جانا چاہا خوف سے لرزاں ہوا

گفت در باطن خدایا از تو داد | عرض کی اے رب دہائی ہے تری
محتسب بر پیر کے چنگی فتاد | آ پڑی ہے یہ نئی افتاد بھی

چوں نظر اندر رخِ آں پیر کرد | اک نظر میں ہی ہوا یہ آشکار
دید اُو را شرمسار و روئے زرد | پیر چنگی تھا بہت ہی شرمسار

پس عمرؓ گفتش مترس از من مرم | مجھ سے کیوں خائف ہے تو بولے عمرؓ
کت بشارتہائے حق آوردہ ام | میں تو لایا ہوں پیام ذی قدر

چند یزداں مدحتِ خوئے تو کرد | اس قدر یزداں نے کی تیری ثنا
تا عمرؓ را عاشق روئے تو کرد | میں بھی تیرا عاشق و شیدا ہوا

پیش من بنشیں و مہجوری مساز
تا بگوشت گویم از اقبال راز

دور مت جا بیٹھ میرے رو برو
راز خوش بختی کا سن اے نیک خو

حق سلامت می کند می پرسدت
چونی از رنج و غمانِ بے حدت

حق نے پوچھا ہے ترا احوال جاں
تو نے رنج وغم سہے ہیں ہر زماں

نک قُراضہ چند ابریشم بہا
خرج کن ایں را و باز ایں جابیا

یہ ہے تیری ساز کاری کا صلہ
خرچ کرکے پھر سے آنا اس جگہ

پیر لرزاں گشت چوں ایں راشنید
دست می خائید و بر خود می طپید

کانپ اٹھا سن کے بوڑھا یہ بیاں
ہاتھ کاٹا فرط غم سے تھا تپاں

بانگ می زد اے خدائے بینظیر
بسکہ از شرم آب شد بیچارہ پیر

کہہ اٹھا اے میرے رب عزّ و جل
شرم سے یہ پیر چنگی ہے خجل

چوں بسے بگریست و زحد رفت درد
چنگ را زد بر زمیں و خرد کرد

روتے روتے جب ہوا بے حد دکھی
چنگ دے ماری زمیں پر توڑ دی

گفت اے بودہ حجابم از الٰہ
اے مرا تو راہزن از شاہراہ

اور کہا تو نے کیا حق سے جدا
ہاں تو ہی ہے رہزنِ راہ خدا

اے بخوردہ خونِ من ہفتاد سال　　تو نے ستر سال مرا خوں پیا
اے ز تو رویم سیاہ پیشِ کمال　　اہل دل کے سامنے رسوا کیا

اے خدائے با عطائے با وفا　　رحم کر اے صاحبِ لطف و عطا
رحم کن بر عمرِ رفتہ در جفا　　میری ساری عمر تھی وقفِ خطا

وادِ حق عمرے کہ ہر روزے ازاں　　زندگی کے روز و شب تیری عطا
کس نداند قیمتِ آں در جہاں　　کون جانے یہ ہے کتنی بے بہا

خرج کردم عمرِ خود را دمبدم　　میں نے ساری زندگی برباد کی
در دمیدم جملہ را در زیر و بم　　نغمگی کے زیر و بم میں پھونک دی

آہ کز یادِ رہ و پردہ عراق　　حیف موسیقی میں ایسا گم ہوا
رفت از یادم دمِ تلخِ فراق　　ذہن سے وقتِ نزع جاتا رہا

وائے کز تریِ زیر افگندِ خُرد　　حیف راگوں کی نمی نے کیا کیا
خشک شد کشتِ دلِ من دل بمُرد　　کشتِ دل ویراں ہوئی دل مرگیا

وائے از آواز ایں بست و چہار　　حیف راگوں کی صدا سے لٹ گیا
کارواں بگذشت بیگہ شد نہار　　ڈھل گیا دن قافلہ جاتا رہا

اے خدا فریاد ازیں فریاد خواہ　　سن مری فریاد بھی اے داد گر
داد خواہم نے زکس زیں داد خواہ　　داد خواہ ہوں تجھ سے ہی اے دادگر

داد خود را چوں ندادم در جہاں　　یونہی میں نے زندگی برباد کی
عمر شد ہفتاد سالم در جہاں　　ہو چکی ہے عمر اب ہفتاد کی

دادِ خود از کس نیابم جز مگر　　کب کوئی اس کے سوا ہے دادگر
زانکہ اُو از من بمن نزدیک تر　　جو ہے میری جاں سے بھی نزدیک تر

۱

کیں منی از وے رسد دم دم مرا　　ہر گھڑی کرتا ہے جانِ نو عطا
پس ورایئم چوں ایں شد گم مرا　　اس کو پایا جب کیا خود کو فنا

۲

ہیچو آنکو با تو باشد زر شمر　　جب بھی کرتا ہے کوئی نقدی شمار
سوئے او داری نہ سوئے خودنظر　　دیکھتے ہو بس اسی کو بار بار

ہمچیں در گریہ و در نالہ او　　روتے روتے مبتلائے اضطراب
می شمردے جرم چندیں سالہ او　　کر رہا تھا اپنے جرموں کا حساب

۱ صوفیا کے نزدیک یہ ہستی تجدد امثال ہے۔ ایک ہستی ہر لحظہ فنا ہوتی ہے اور دوسری ملتی ہے۔ ۲ اپنی ہستی کو فنا کیا تو اللہ کو پا سکو گے۔ ۳ جس طرح انسان کی نظر نقدی شمار کر کے دینے والے پر ہوتی ہے چاہے آپ پر نہیں۔ اسی طرح حاجتمند کی صاحب کرم پر نظر رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ کا اُسے مقامِ گریہ سے عالمِ استغراق کو لے جانا

پس عمرؓ گفتش کہ ایں زاریِ تو [1]	گریہ و زاری تری بولے عمرؓ
ہست ہم آثارِ ہشیاریِ تو	لازماً ہے ہوشمندی کا اثر
بعد ازاں اُورا ازاں حالت براند	اس کی حالت میں تغیر آگیا
زاعتذارش سوئے استغراق خواند	محو ہستی محو استغراق تھا
ہست ہشیاری ز یادِ ما مضٰی	یاد مرضی تیری بیداری کا راز
ماضی و مستقبلت پردہ خدا	محو فردا یاد حق سے بے نیاز
آتشے برزن بہر دو تا بکے	ماضی و فردا کو خاکستر بنا
پُر گرہ باشی ازیں ہر دو چوئے	مثل نے کب تک رہے گا پُرگرہ
تا گرہ بائے بود ہمراز نیست	پُر گرہ ہو ئے تو ہوگی بے نوا
ہمنشین آن لب و آواز نیست	بے صدا اور اُن لبوں سے بھی جدا
چوں بطوفِ خود بطوفی مرتدی	خود نگر مرتد ہوا وقتِ طواف
چوں بہ خانہ آمدی ہم با خودی	حیف ہے دل تھا نہ خود بینی سے صاف

[1] جب انسان اپنے گناہوں کا احساس کرکے روتا ہے تو اس کی نظر اپنی طرف ہوتی ہے۔ یہ وہ مقام ہستی ہے جس میں اپنے وجود کا خیال رہتا ہے جب کہ مقام استغراق میں انسان اپنے آپ سے بےخبر ذات باری میں گم ہو کر بحرِ وحدت میں کھو جاتا ہے۔

ا

اے خبرہات از خبر دہ بے خبر　　تو کہ ہے اُس باخبر سے بے خبر
توبۂ تو از گناہِ تو بتر　　تیری توبہ بھی خطاؤں سے بتر

راہِ فانی گشتہ راہِ دیگر ست　　ہے جدا اہل فنا کا راستہ
زانکہ ہشیاری گناہ دیگر ست　　ان کی دنیا میں ہے خود بینی گناہ

۲

اے تو از حالِ گزشتہ توبہ جو　　تو کہ ماضی سے ہوا ہے توبہ گار
کے کنی توبہ ازیں توبہ بگو　　ہوگا کب تک توبہ جوئی کا شکار

گاہ بانگِ زیر را قبلہ کُنی　　نغمہ خوانی تھی کبھی منزل تری
گاہ گریہ زار را قُبلہ زنی　　اشکباری سے ہے اب وابستگی

چونکہ فاروق آیئنۂ اسرار شد　　تھا رخِ فاروقِ اقدس حق نما
جانِ پیر از اندروں بیدار شد　　اُس نے بخشی روحِ مطرب کو جلا

ہمچو جاں بے گریہ و بے خندہ شد　　پا گیا وہ شادی و غم سے نجات
جانش رفت و جانِ دیگر زندہ شد　　جانِ مطرب کو ملی تازہ حیات

۳

حیرتے آمد درونش آن زماں　　اُس کے اندر موجِ حیرت سے اٹھی
کہ بروں شد از زمین و آسماں　　دور تر ارض و سما سے لے گئی

ا　جواپنے ماضی و مستقبل کی فکر میں گم ہے اور واقعات کے خالق سے غافل ہے ایسے شخص کی توبہ گناہ سے بھی بدتر ہے۔
۲　جو کو دینی کی حالت سے نجات پائے بغیر توبہ کرتا ہے اس کی توبہ بے اثر ہوتی ہے۔
۳　حیرت ایک کیفیت ہے جو عالم استغراق کا لازمہ ہے۔

جستجوئے ماورائے جستجو[1] — تھی ماورائے جستجو
من نمیدانم تو میدانی بگوی — خود ہی تھا وہ انتہائے جستجو

جستجوئے از ورائے حال و قال — جستجو اس کی رہی بے حال و قال
غرقہ گشتہ در جمالِ ذوالجلال — ہو گیا وہ محو حسن ذوالجلال

[2]

غرقہ نے کہ خلاصی باشدش — ہوش میں آتا نہیں محو جمال
یا بجز دریا کسے بشاندش — آشنا اس کا فقط بحر کمال

عقل جزو از کل گورایا نیستے — اہل عرفاں ذات کل کا ماجرا
گر تقاضا بر تقاضا نیستے — کہہ نہ پائیں گر نہ ہو اذن خدا

چوں تقاضا بر تقاضا می رسد — جب ہوا اذن خدا تو بَر ملا
موجِ آں دریا بدینجا می رسد — راز الا اللہ افشا کر دیا

چونکہ قصہ حال پیر ایں جا رسید — عالم حیرت کا آیا مرحلہ
پیر و جانش روئے در دریا کشید — بحر وحدت میں مغنی کھو گیا

پیر دامن را ز گفت و گو فشاند — ذکر دنیا سے ہوا دامن کشاں
نیم گفتہ در دہانِ او بماند — نیم گفتہ رہ گیا اس کا بیاں

[1] اس کی جستجو کسبی نہ تھی بلکہ انجذابی تھی جس کی کیفیت کوئی دوسرا محسوس نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی وضاحت کی جا سکتی ہے۔ جس طرح درد کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس کا شکار ہو۔ کوئی دوسرا اس کی شدت یا کمی کی بیان نہیں کر سکتا۔ [2] جو جمال خداندی میں کھو گیا ہو اس کے احوال سے صرف ذات الٰہی ہی آگاہ ہوتی ہے۔ دنیا والے اس کے استغراق کے راز کو کیا جانیں۔

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن	اُس جہانِ پُر مسرت کے لئے
صد ہزاراں جاں بشاید باختن	لاکھوں جانیں بھی ہوں قرباں کیجئے
در شکارِ بیشۂ جاں باز باش	عالمِ ارواح میں شہباز بن
ہمچو خورشیدِ جہاں جاں باز باش	مہر تاباں کی طرح جاں باز بن
جاں فشاں اُفتاد خورشیدِ بلند	نور افشاں مہر تاباں ضو بہ ضو
ہر دمے تی می شود پُری کنند	ہر گھڑی ہوتا ہے روشن نو بہ نو

ل

در وجودِ آدمی جان و رواں	آدمی کے جسم میں یہ روح و جاں
میر سد از غیب چوں آبِ رواں	غیب سے آتی ہے چوں آبِ رواں

ع

ہر زماں از غیب نو نوی رشد	پہنچتی رہتی ہے ہر دم جان نو
و ز جہانِ تن بروں شو می رسد	ور یہ آواز کہ واپس چلو
جانفشاں اے آفتابِ معنوی	مہر کامل نور افشانی کرو
مَر جہانِ کہنہ را بنما نوی	یہ جہانِ کہنہ ہو دنیائے نو

ل بظاہر دیکھنے میں دریا کی سطح پر سکون نظر آتی ہے لیکن در حقیقت اس میں مسلسل ردو بدل ہوتا رہتا ہے اور ایک لہر دوسری لہر کی جگہ لیتی رہتی ہے۔ صوفی کے نزدیک یہی حال روح انسانی ہے۔

ع ہر لحظہ یہی صدا آتی ہے کہ جسم کی دنیا سے نکل جاؤ تا کہ تمہیں حیات ابدی حاصل ہو۔

تحفہ دل

گفت لَا یَنْظُرْ اِلٰی تَصْوِیرِ کُم دیکھتا ہے کب خدا صورت تیری
فَابْتَغُو ذَالْقَلْبِ فِی تَدْبِیرِ کُم اہلِ دل کو ڈھونڈ ہے قولِ نبی

من زِ صاحبدل کُنم در تو نظر صاحب دل سے ہوں تجھ کو دیکھتا
نَے بنقش و سجدہ و ایثارزر بے اثر ہیں زہد و زر حق نے کہا

تو دل خود را چو دل پنداشتی اپنے دل کو دل سمجھ بیٹھا ہے تو
جستجو ئے اہلِ دل بگذاشتی ترک کر دی اہل دل کی جستجو

دل اگر ہفصد چواِیں ہفتہ آسماں دل تو وہ ہے جس میں صد ہا آسماں
اندر اُو آید شود یا وہ و نہاں گر اتر آئیں تو موجائیں نہاں

صاحب دل آئینہ شش رُو بُود صاحب دل جیسے شش رُو آئینہ
حق درو از شش جہت ناظر شود حق ہے اس سے چھ رخوں سے دیکھتا

ہر کہ اندر شش جہت دارد مقر ہو تسلط جس کا سب اطراف پر
کے کندر در غیرِ حق یک دم نظر غیر حق پر کب وہ ڈالے گا نظر

1 حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے یعنی ظاہری صورت کی اتنی وقعت نہیں جتنی اعمال وافعال اور باطنی خلوص ونیت کی ہے۔ 2 صاحب دل ہمہ صفت مصطفیٰ ہوتا ہے جس طرح شش رو آئینہ سے اوپر نیچے اور چارسو دیکھا جاسکتا ہے اسی طرح صاحب دل بھی ہمہ وقت نزد و دور اور چاردانگ عالم پر نظر رکھتا ہے یہ صفت اسے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہے گویا صاحب دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب کچھ دیکھتا ہے۔

گر کند اُو از برائے او کند　　جب بھی کی اللہ کی خاطر کی نظر
ور قبل آرد ہمو باشد سند　　جو کیا اللہ پہ ہی رکھی نظر

چونکہ اُو حق را بود درکلِ حال　　چونکہ ہے وہ سر بسر اللہ کا
برگزیدہ ہست نزد ذوالجلال　　پس ہے منظور نظر اللہ کا

۱
ہیچ بے اُو حق بکس ندہد نوال　　ہے خدا کی سب عطا اس کے طفیل
شمۂِ گفتم من از صاحب وصال　　جو بھی کہنا تھا کہا اس کے طفیل

موہبت را بر کفِ دستش نہد　　ان کے ہاتھوں بخششیں بے انتہا
وَزکفش آں را بمر حوماں دہد　　اہلِ حاجت کو وہ کرتا ہے عطا

۲
باکفش دریائے کُل را اِتّصال　　ہاتھ ان کے بحرِ حق سے فیضیاب
ہست بے چون و چگو نہ پُرکمال　　پُر کمال و پُر عطائے بے حساب

صد جوال زر بیاری گر غنی　　لائے گر تم سینکڑوں انبارِ زر
حق بگوید دل بیار اے منحنی　　حق کہے گا لاوَ دل اے بے ہنر

۳
گر زِتو راضی ست دل من راضیم　　تجھ سے گر راضی ہے دل راضی ہوں میں
ور زِ تو معرض بود اعراضیم　　گر وہ ہے ناراضی اعراضی ہوں میں

۱ قربِ الٰہی کے باعث اللہ کے برگزیدہ بندوں کی دعا پر اثر ہوتی ہے۔
۲ اللہ اہل دل کے ہاتھوں بخشش تقسیم کرتا ہے۔
۳ جس سے اہل دل راضی ہوں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے اور جس سے اہل دل ناراض ہوں اللہ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے۔

[۱]

ننگرم در تو دراں دل بنگرم   تو نہیں دل ہے تیرا پیش نظر
تحفہ او آر اے جاں بردرم   درپہ میرے تحفۂ دل پیش کر

[۲]

آں ولے آور کہ قطب عالم است   ایسا دل لاؤ کہ ہو قطب جہاں
جانِ جان جانِ جانِ آدم است   جانِ آدم کا بھی ہو جو جانِ جاں

از برائے آں دل پر نور و بر   نور و نیکی سے بھرے دل کا سدا
ہست آں سلطان دلہا منتظر   منتظر ہے وہ دلوں کا بادشاہ

تو بگردی روزہادر سبزوار   چاہے سالوں سال چھانے سب جہاں
آنچناں دل را نیابی زاعتبار   ایسا دل ڈھونڈے سے پائے گا کہاں

[۳]

پس دل پر مردہ و بوسیدہ جاں   پس دل صد پارہ اور زخموں سے چور
برسر تختہ نہی آنسو کشاں   مثل مردہ لے کے جا اس کے حضور

کہ دل آوردم ترا اے شہر یار   اور کہ لایا ہوں یہ اے مہرباں
بہ ازیں دل نیست اندر سبزوار   اس سے بہتر ہے جہاں بھر میں کہاں

گویدت ایں گورخانا ست اے مردجری   وہ کہے گا سن یہ گورستاں ہے کیا؟
کہ دل مردہ بدی جا آوری   کیوں دل مردہ کو لایا ہے بتا؟

۱ اللہ تعالیٰ اپنے حضور انسان کی ظاہری حاضری کی بجائے حضوری دل کو پسند فرماتا ہے۔
۲ اللہ تعالیٰ ایسے دل کو پسند فرمایا ہے جو پاکیزہ جو پاکیزہ اور اس کے نور سے منور ہو۔
۳ اگر پاکیزہ اور منور دل نہیں رکھتے تو پھر عجز و نیاز کے ساتھ اپنا دل شکستہ لے کر اس کے حضور ہو جاؤ اور رحم طلب کرو۔

۱	
رَو بیاور آں دلے کُو شاہ خُوست	جا کے لا وہ دل کہ ہے بے خسروادا
کہ امانِ سبزوارِ کون ازوست	جس کے دم سے ہے جہاں کیف آشنا
کوئی آں دل زیں جہاں پنہاں بود	تم کہو کہ اب یہاں وہ دل کہاں
زانکہ ظلمت باضیا ضدّاں بود	کب ہوئے ہیں نور وظلمت ایک جاں
۲	
صاحب دل جُو اگر بے جاں ینۂ	اہل دل کو ڈھونڈ گر ذی ہوش ہو
جنس دل شو گر ضد سلطان ینۂ	گر نہیں ہو ضدِ سلطان دل بنو

۱ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جا اور ایسا دل لا جو الطاف و کرم میں شاہانہ مزاج رکھتا ہے اور جس کے جود و عطا کے باعث دنیا کی بقا ہے۔

۲ اگر تو مردہ اور بے حس نہیں تو صاحب دل کو تلاش کر اور اس کا دامن تھام کر دل کا ہم جنس بن جا یعنی دل جو مظہر خدا ہے اس کی طرف اللہ کا ہوجا اگر تم اللہ کو فراموش کرنے والے نہیں ہو۔

فنا فی الذات

چوں انائے بندہ لا شد از وجود　　جب فنا ہو جائے گی تیری انا
پس چہ ماند تو بیندیش اے جحود　　باقی کیا رہ جائے گا سوچو ذرا

گر ترا چشم است بکشا در نگر　　آنکھ ہے تو کھول کر دیکھو ذرا
بعد لا آخر چہ می ماند دگر　　بعد لا باقی بھلا کیا رہ گیا

۱

ایں دوئی اوصاف دیدۂ احول است　　تیرے بھینگے پن نے پیدا کی دوئی
ورنہ اوّل آخر آخر اوّل است　　اول و آخر ہے ورنہ ایک ہی

۲

تو مباش اصلا کمال ایں ست و بس　　تو نہ رہ مٹ جا اسی میں ہے کمال
رو درو گم شو وصال ایں ست و بس　　اس میں کھو جا بس یہی تو ہے وصال

۳

چیست توحیدش خدا آموختن　　راز ہے توحید کا عرفان حق
خویشتن را پیش واحد سوختن　　کرنا اپنے آپ کو قربان حق

۴

کُلُّ شَئٍ ھالکٌ جُز وجہِ اُو　　ماسوائے اس کے، ہے باقی سب فنا
چوں نئی در وجہِ اُو ہستی مجو　　جو نہیں اس میں فنا وہ کیا جیا

۱ یہ میں اور تو یعنی دوئی بھینگے پن کی وجہ سے ہے جس طرح بھینگے انسان کو دو دو نظر آتے ہیں اسی طرح اگر دیکھنے میں یکسوئی نہ ہو تو دوئی پیدا ہوجاتی ہے۔ ۲ تو اپنے آپ کو مٹا کمال اسی میں ہے اپنے محبوب میں گم ہوجا یعنی اس کی ذات میں فنا ہوجا یہی حقیقی وصل یار ہے۔

۳ توحید کا راز اللہ تعالیٰ کو پہچاننا اور اس میں فنا ہوجانا ہے۔ ۴ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ فانی ہے جو اس میں فنا ہوا اسی نے زندگی پائی۔

[۱]

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا　　بے گماں جو بھی ہوا مجھ میں فنا
کُلّ شَیٔ ھالک نبود جزا　　کل شَیٔ ھالک سے بچ گیا

[۱]

چوں یکے باشد ہمہ نبود دوئی　　جب ہو سب کچھ ایک پھر کیسی دوئی
ہم نہی بر خیزد آنجاہم توئی　　ہونشاں بھی کیوں من وتو کا کوئی

[۲]

چوں زجاں مُردَم بجاناں زندہ ام　　جاں گئی تو جان جاں کو پا لیا
نیست مرگم تا ابد پائندہ ام　　اے خوشا مر کر میں پائندہ ہؤا

[۳]

چوں بہ مُردم از حواسات بشر　　جب مٹے میرے حواس اور میرے ہوش
حق مراشد سمع و ادراک و بصر　　بن گیا حق میرا عقل و چشم و گوش

جملہ ما و من بہ پیش او نہید　　ماؤمن اُس کے لئے قرباں کرو
ملک ملک اوست ملک او را دہید　　ہے وہی مالک سبھی کچھ اس کو دو

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد　　خوب ہے آزاد جو مر کز ہوا
در وجودِ زندۂ پیوستہ شد　　ہو کے باقی میں فنا پائی بقا

اے برادر یکدم از خود دور شو　　لمحہ پھر اے یار خود سے دور ہو
باخود آ و غرق بحرِ نور شو　　ہوش میں آ غرق بحرِ نور ہو

۱ جب ہر جگہ ذات باری جلوہ گر ہے تو پھر دوئی کا کیا سوال۔ ۱ جو اللہ تعالیٰ میں فنا ہوا اس نے بقا پائی اس لئے کہ وہ ہوا باقی ہے

۲ جب میں نے اپنے محبوب کیلئے جان دیدی تو ہمیشہ کیلئے جان جاں کے حوالے سے زندہ ہوگیا۔ ۳ جب انسان اپنے ہوش وحواس اور بشری صلاحیتیں دنیاوی کاموں کیلئے استعمال میں لانا چھوڑ دیتا ہے تو حق تعالیٰ اسے دیکھنے اور سننے کی باطنی قوت عطا کرتا ہے۔

۱

نور خواہ از مہ طلب خواہی زخور　　جستجو کر نور کی کیا مہرو ماہ
نور ماہ ز آفتاب است اے پسر　　ماہ میں بھی نور ہے اس مہر کا

۲

سایہ ہائے کہ بود جویائے نور　　سائے جو تھے ہر گھڑی جویائے نور
نیست گردد چوں کند نورش ظہور　　مٹ گئے جیسے ہوا اس کا ظہور

ہم چنیں جویائے درگاہِ خدا　　طالب حق کی بھی ہے صورت یہی
چوں خدا آید شود جویندہ لا　　جب ملا حق اس کی ہستی مٹ گئی

گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست　　گو ہے وصل یار میں اس کی بقا
لیک از اول بقا اندر فناست　　یہ بقا پائی مگر ہو کر فنا

۳

بت پرستی گر بمانی در صُوَر　　چھوڑ کر صورت پرستی اک ذرا
صورتش بگذار و در معنی نگر　　دیکھ ہے صورت کے پیچھے کیا چھپا

سِرِ وحدت را نداند ہر کسے　　راز وحدت سے نہیں سب آشنا
گرچہ بینی در جہاں عاقل بسے　　گرچہ ہیں دنیا میں عاقل جا بجا

۴

منطقی و فلسفی در حیرتند　　محو حیرت منطقی اور فلسفی
ہرچہ گو یدعقل بروے کاربند　　عقل کی کرتے ہیں اندھی پیروی

۱ اگر اہل حق سے بھی نور باطن حاصل ہو تو درحقیقت وہ نور حق ہی ہوگا اس لئے اہل حق کو بھی وہ نور اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا۔
۲ نور حق کی جستجو کرنے والے جب اسے پالیتے ہیں تو اس میں کھو جاتے ہیں۔
۳ ظاہری خوبصورتی پر مرمٹنے کی بجائے اس صورت کو بنانے والے کی صورت کو دیکھ۔
۴ پروردگار عالم کی تخلیقات کو دیکھ کر فلسفی اور منطقی محو حیرت میں اور عقل سے اسرار کائنات کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

دانند اُورا آں کہ قلبش پاک گشت	جانتے ہیں اس کو جو ہیں پاک دل
از محبت سینہ اش صد چاک گشت	عشق سے رکھتے ہیں جو صد چاک دل
آنچہ از دریا بدریا می رود	اک دریا دو جسے دریا سے ملا
از ہمانجا کامد آنجا می رود	اپنے منبع کی طرف بڑھتا رہا
خود بخود کن می شود آنجا یکوں	کن ہوا خود ہی یکوں اور بے گماں
خود ارادہ بامراد آید بروں	ہو گیا حق کا ارادہ بھی عیاں

بقا

آں یکے عاشق بہ پیشِ یارِ خود — ایک عاشق نے کہا محبوب سے
می شمرد از خدمت و ازکارِ خود — تیری خاطر میں نے کیا کیا دکھ سہے

کز برائے تو چنیں کردم چناں — ہو سکا جو بھی کیا تیرے لئے
تیرہا خوردم دریں رزم و سناں — تیر و نشتر کھائے رزم عشق کے

مال رفت و زور رفت و نام رفت — زور بازو مال و زر سب لٹ گئے
برمن از عشقت بسے ناکام رفت — عشق میں تیرے ہزاروں غم ملے

ہیچ صبحم خفتہ و خنداں نیافت — میری صبحیں بےسکوں بےجاں رہیں
ہیچ شامم باسر و ساماں نیافت — میری شامیں بے سروساماں رہیں

آنچہ نوشیدہ بود از تلخ و درد — تلخیوں کے گھونٹ تھے جتنے پیے
او بہ تفصیلش یکایک می شمرد — اس نے اک اک کر کے سب گنوا دیے

نہ برائے منتے بل می نمود — جو کہاں احساں جتانے کو نہ تھا
بَر درستیِ محبت صد شہود — بلکہ تھا تکرار عہد عشق کا

[1] اس داستاں میں ایک عاشق صادق اپنے محبوب کے سامنے ان مشکلات ومصائب کا ذکر کرتا ہے جو اس نے اس کی محبت میں برداشت کیں لیکن ان تکالیف کا بیان اپنے محبوب پر احسان جتانے کی غرض سے نہ تھا بلکہ اپنی محبت کی سچائی ثابت کرنے کیلئے تھا۔

۲

میکند تکرار گفتن بے ملال　　خوش تھا حال غم کے اس تکرار پر
کے زِ ارشارت بس کندحوت از زلال　　جیسے خوش ہوتی ہے مچھلی ڈوب کر

۳

صد سخن می گفت زاں دردِ کہن　　دردِ کہنہ کے کئے شکوے کئی
در شکایت کہ نہ گفتم یک سخن　　میں نے دہرایا نہیں ہے ایک بھی

آتشے بودش نمیدانست چیست　　جانے کیسی آگ تھی اس میں نہاں
لیک چوں شمع از تفِ آں می گریست　　سوز سے چوں شمع آنسو تھے رواں

بعد گریہ گفت ایںہا رفت لیک　　رو چکا تو یوں ہوا وہ لب کشا
ایں زماں ارشاد کن تو یار نیک　　اب بتا میرے لئے ہے حکم کیا

ہرچہ فرمائی بجاں استادہ ام　　جاں لئے حاضر ہوں میں اے جانِ جاں
بر خطِ تو پا و سر بنہادہ ام　　اور رکھا قدموں میں سر ہے جانِ جاں

۴

گردشِ آتش رفت باید چوں خلیل　　مثل ابراہیم آتش میں گروں
ورچو یحییٰ می کنی خونم سبیل　　یا بہاؤں مثل یحییٰ اپنا خوں

۲ محبت میں جو غم اٹھائے ان کا حال دہرانے سے عاشق صادق کو خوشی ہوتی ہے جس طرح مچھلی کو پانی میں غوطہ لگا کر اطمینان حاصل ہوتا ہے ۳ اس نے لذت غم حاصل کرنے کیلئے پرانے دکھوں کے سینکڑوں گلے شکوے کئے۔ مولانا فرماتے ہیں میں نے ان میں سے ایک دکھ کا ماجرا بھی بیان نہیں کیا ۴ عاشق محبوب سے پوچھتا ہے کہ اگر حکم ہو تو میں حضرت ابراہیم کی طرح آگ میں کود جاؤں یا حضرت یحییٰ کی طرح قتل ہو جاؤں۔

ور گریہ چوں شعیبؑ اعمیٰ شوم　　روکے مانندِ شعیب اندھا بنوں
ورچو یونسؑ در مم ماہی روم　　یا چو یونسؑ شکم ماہی میں رہوں

ور چو یوسف چاہ زندانم کنی　　مثل یوسف چاہ میں قیدی رہوں
ور زفقرم عیسیٰ مریم کنی　　یا قبائے فقرِ عیسیٰ اوڑھ لوں

رخ نگردانم نگردم از تو من　　تجھ سے منہ ہرگز نہ موڑوں گا کبھی
بہر فرمان تو دارم جان و تن　　تیرے ہر فرماں پہ قرباں زندگی

۲

گفت معشوق ایں ہمہ کردی ولیک　　سب جا لیکن کہا محبوب نے
گوش بکشا پہن و اندر یاب نیک　　کان کھول اور بات کو سن غور سے

کانچہ اصل اصل عشق است وولاست　　عشق و مستی میں ہے جو اصلِ اصول
آں نہ کردی آنچہ کردی فرعہاست　　وہ نہ کر پائے تو باقی سب فضول

گفتش آں عاشق بگو آں اصل چیست　　کہیے کیا ہے اصل عاشق نے کاہ
گفت اصلش مردنست ونیسی ست　　مرنا مٹنا اصل ہے آئی صدا

تو ہمہ کر دی نمردی زندۂ　　مر نہ پائے زندہ ہو کیا فائدہ
ہیں بمیر اریار جاں بازندۂ　　مر کے مٹ جاؤ اگر ہو باوفا

۱ میں تیرے حکم پر یہ سب تکالیف اور سختیاں برداشت کرنے کو تیار ہوں لیکن کسی بھی صورت میں تجھ سے منہ نہ موڑوں گا بلکہ تیرے ایک ادنیٰ سے اشارہ پر اپنی زندگی قربان کردوں گا۔ ۲ فارسی میں پہن بمعنی پھیلانے کشادہ کرنے کے استعمال ہوتا ہے یہاں مولانا نے گوش بکشا یعنی کان کھول کے ساتھ لفظ پہن تاکید مزید کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ۳ مر کے مٹ جانا ہی عشق کی بنیادی شرط ولین ہے۔ یہاں مرنے اور مٹنے سے مراد دنیاوی تعلقات کو ختم کرکے فنافی الذات محبوب ہونا ہے۔ ۴ محبوب نے کہا تم نے سب کچھ کیا لیکن پھر بھی زندہ رہے اگر صدق دل سے یار کو پانا چاہتے ہو تو مر کر دکھاؤ۔

گر بمیری زندگی ہابی تمام   مر کے پاؤں گے بقائے دائمی
نام نیکوئے تو ماند تا قیام   ہو گی ہر سو دھوم تیرے نام کی

چوں شنود آن عاشق بیخو شتن   عاشق بیخود نے یہ راز نہاں
آہِ سردے برکشید از جان و تن   سن کے کھینچی آہ سرد و غم نشاں
۲
ہمدر آں دم شد دراز و جان داد   خاک پر لیٹا اسی دم دم دیا
ہمچو گل درباخت سرخندان و شاد   شاد و خنداں مثلِ گل رخصت ہوا
۳
ماند آں خندہ برو وقفِ اَبد   تا ابد زندہ رہے گا بے گماں
ہمچو جان و عقل عارف بے کبد   جس طرح عارف کی روشن عقل و جاں
۴
ارجعی بشنید نور آفتاب   لوٹ جا سن کر و نور آفتاب
سوئے اصل خویش باز آمد شتاب   اصل سے ملنے کو لوٹ آ باشتاب
۵
نے ز گلخنہا بروننگے بماند   بھٹیوں کے داغ سے پائی نجات
نے ز گلشنہا بورنگے بماند   رنگہائے باغ سے پائی نجات

۱ زندگی تو ہر حال میں ختم ہو گی لیکن اگر عشق حقیقی میں جان جائے تو قیامت تک اس کی شہرت باقی رہتی ہے اس لئے کہ جس کا دل عشق سے زندہ ہو وہ کبھی نہیں مرتا ہے ۲ جس طرح کھلا ہوا پھول بکھر جاتا ہے اسی طرح عاشق صادق بھی اپنے عشق کی خوشبوئیں پھیلا کر رخصت ہوا۔
۳ جیسے عارف باللہ کے اقوال و افعال زہد و تقویٰ کی بدولت ہمیشہ رشد و ہدایت کی روشنی پھیلاتے رہتے ہیں ایسے ہی عاشق صادق کا ذکر بھی ہوتا رہے گا ۴ عارف کی روح کو نفس مطمئنہ کہا گیا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے یاایتھا النفس المطمئنہ (یعنی اے نفس مطمئنہ تو راضی اور پسندیدہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا) چنانچہ عارف کی روح کی طرح عاشق صادق کی روح بھی اپنی اصل سے واصل ہونے کیلئے رخصت ہو گی۔ ۵ جس طرح بھٹی میں رنگ چڑھتا ہے اور باغ میں دل و دماغ پر رنگ و بو کا اثر ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں روح پر بھی نیک و بد اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن جو روح محبوب حقیقی کے عشق میں محو ہو کر دنیا سے رخصت ہو تو اس پر یہاں کے اثرات اثر پذیر نہیں ہوتے۔

قدرت حق

اِلا الَّذِیۡنَ اٰمَنُو وَ عَمِلُو الصَّالِحاتِ فَلَھُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُون

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے)

۱

لیک اگر باشد قرینش نورِ حق — نورِ حق ہو ساتھ جس کے ہر زماں
نیست از پیری و رانقصان و دق — وہ بڑھاپے میں نہ ہو گا خستہ جاں

۲

گر بمیرد استخوانش غرقِ ذوق — گر مرے تو غرق ذوقِ یار ہو
ذرہ ذرہ ش در شعاعِ نورِ شوق — انگ انگ میں نورِ شوقِ یار ہو

۳

دانکہ نورش نیست باغِ بے ثمر — نور سے محروم باغِ بے ثمر
کہ خزانش می کند زیروزبر — جس کو کرتی ہے خزاں زیر و زبر

۴

گل نماند خارہا ماند سیاہ — گل پریشاں خار ہوتے ہیں سیاہ
زرد و بے مغز آمدہ چوں تُلِّ کاہ — زرد و ویراں ڈھیر جیسے گھاس کا

۱ جس شخص کے ساتھ ساری زندگی نورِ حق رہا یعنی جس نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے نور سے استفادہ کیا اور ان پر عمل پیرا رہا وہ بڑھاپے میں تکلیف نہیں اٹھائے گا یعنی اس کا ایمان کامل رہے گا ۲ جب مرے تو اس کے رگ و پے اللہ تعالیٰ کے دیدار کے شوق سے لبریز ہوں۔

۳ جس شخص کی زندگی نورِ خدا سے محروم ہو یعنی یادِ الٰہی سے بے بہرہ ہو اس کی مثال اس باغ کی سی ہے جسے خزاں یعنی دنیاوی حرص و ہوس کی ہوا برباد کر دیتی ہے اور اس پر نہ کوئی پھل ہوتا ہے نہ پھول۔ عابد کر ایسی زندگی کے باغ سے آخرت کیلئے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ۴ ایسی زندگی کے باغ کا ہر پھول بکھر جاتا ہے اور کانٹے بھی سوکھ کر سیاہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہستی سوکھے گھاس کے ڈھیر کی طرح ہو جاتا ہے۔

تاچہ زلت کرد ایں باغ اے خدا　　کیا خطا اس باغ کی ہے اے خدا
کہ ازو ایں حلھا گردد جدا　　چھن گیا ہے کیوں لباس خوشنما

[1]

خویشتن را دید و دید خویشتن　　خود کو دیکھا خوش ہوا وہ خود نگر
زہرِ قتال است ہیں اے ممتحن　　خود پسندی زہر قاتل ہے مگر

شاہدے کز عشق او عالم گریست　　وہ حسیں جس پر زمانہ تھا فدا
عالمش می راند از خود جرم چیست؟　　اس سے ہیں اب سب گریزاں کیوں بھلا

جرم آنکہ زیور عاریہ بست　　عارضی زیور پہ وہ نازاں ہوا
کرد دعویٰ ایں حُلَل ملک من است　　اور اسے اپنا سمجھنا تھا خطا

واستانیم آنکہ تا داند یقیں　　چھین لیتا ہوں کہ آ جائے یقیں
خرمن آن ماست خوباں خوشہ چیں　　حسن میں ہوں اور حسیں ہیں خوشہ چیں

[3]

تا بداند کاں حُلَل عاریہ بود　　جان لیں کہ عارضی تھا ان کا حسن
پرتوے بود آں ز خورشیدِ وجود　　پر تو ذات جلی تھا ان کا حسن

[1] اپنے آپ کو اور اپنی خوبیوں کو دیکھ کر خوش ہونا معیوب ہے اس لئے کہ یہ غرور و تکبر کا باعث بنتا ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنا دیا ہوا حسن اس لئے واپس لے لیتا ہوں کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حسن اصل میں میری ملکیت ہے اور دنیا میں حسن والے میرے حسن کے خوشہ چیں ہیں۔

[3] تاکہ اہل حسن سمجھ لیں کہ ان کا حسن باری تعالیٰ کا عطا کردہ تھا اور اس کی ذات کی تجلی کا پرتو تھا جو اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے۔

آں جمال و قدرت وفضل و ہنر   حسن و خوبی ہو کہ لطف و دلبری
زا افتابِ حسن کرد ایں سو سفر   بخششیں ہیں آفتاب حسن کی

[1]

باز می گردند چوں استار ہا   مثل انجم لوٹ جاتے ہیں شتاب
نور آں خورشید ازیں دیوار ہا   جیسے دیواروں سے نور آفتاب

پر تو خورشید شد تا جایگاہ   اپنی خلوت گہ میں سورج چھپ گیا
ماند ہر دیوار تاریک و سیاہ   دہر کو تاریکیوں نے جا لیا

[2]

آنکہ کرد در رخ خوبانت دنگ   تم ہوئے جن صورتوں پر جاں نثار
نور خورشید ست از شیشہ سہ رنگ   ان میں نور مہر حق ہے جلوہ بار

شیشہ ہائے رنگ رنگ آں نور را   نت نئے انداز میں شام و سحر
می نماید ایں چنیں رنگیں بما   وہ ہمارے رو برو ہے جلوہ گر

[3]

چوں نماند شیشہ ہائے رنگ رنگ   جب نہ ہونگے جلوہ ہائے رنگ رنگ
نور بیرنگت کند آں گاہ رنگ   جلوہ بے رنگ سے تو ہو گا دنگ

[1] انسان میں جس قدر خوبیاں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور جب بھی خداوند کریم چاہے یہ اچھائیاں ستاروں کی طرح چھپ جاتی ہیں جیسے دن ڈھلنے سے دیوار پر پڑنے والا سورج کا سایہ لوٹ جاتا ہے۔

[2] اہل حسن میں یہ کشش اور خوبی جو تمہیں اپنی طرف مائل کرتی ہے در حقیقت حسن ازل کا پرتو ہے جیسے شیشہ سے سورج کی روشنی ہم تک پہنچتی ہے۔ [3] جب جلوہ حق کے وہ مظاہر باقی نہیں رہتے تو پھر یکرنگا نور باقی رہ جاتا ہے یعنی "جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے"

۱

خوئے کن بے شیشہ دیدن نور را   ایسی خو پیدا کرو جس سے یہاں
تا چو شیشہ بشکند نبود عمیٰ   اس کا جلوہ دیکھ پاؤ ہر زماں

قابلی بردانشِ آموختہ   بکھرے جلوؤں میں اسے کیوں دیکھئے
وز چراغ غیر چشم افروختہ   دوسروں سے روشنی کیوں لیجئے

اوچراغِ خویش بُر باید کہ تا   چھین لیتا ہے وہ نعمت نور کی
تو بدانی مستعیری نے فتیٰ   تا کہ واضح ہو کہ تھی مانگی ہوئی

۲

گر تو کردی شکر وسعی مجتہد   پھر بھی گر کرتے رہے شکر خدا
غم مخور کہ صد چناں بازت دہد   صد گنا خوشتر صلہ ہو گا عطا

ورنہ کر دی شکر اکنوں خوں گری   اشکِ خوں روتا رہے گا ناسپاس
کہ شدست آں حسن ازکا فربری   رحمتِ حق سے رہے گا ناشناس

۳

گم شداز بے شکر خوبی و ہنر   کھوئے ناشکرے نے یوں حسن وہنر
کہ دگر ہرگز نہ بیند زاں اثر   پھر نہ پائے گا کبھی ان کا ثمر

۱ کائنات میں مظاہرِ حق کے واسطے سے ذاتِ حق کو دیکھنے کی بجائے ایسی اہلیت پیدا کی جائے کہ ان مظاہر کو پیدا کرنے والے کو بغیر کسی وسیلے کے دیکھا جا سکے۔

۲ لیکن اگر تو اس نعمت کے چھن جانے پر بھی حق تعالیٰ کی عنایات کا شکر ادا کرتا رہا تو تجھے صد گنا زیادہ نعمتیں عطا ہونگی۔

۳ حق تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرنے والا اس کی نعمتوں سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوجاتا ہے۔

۱

خویش و بے خویش و شکرو و داد　　مٹ گئے سب رشتے ناطے خوبیاں
رفت ز انساں کہ نیاردشاں بیاد　　اب نہیں یادوں میں بھی ان کے نشاں

جز زاہلِ شکر و اصحاب وفا　　دولت امروز و فردا ہے ولے
کہ مرایشاں راست دولت درقفا　　اہل شکر اہل وفا کے واسطے

۲

قرض دہ زیں دولت اندر اَقرِضو　　دولت امروز سے تم قرض دو
تا کہ صد دولت بہ بینی پیش رو　　پاؤ گے دولت ہی دولت چار سو

۳

اند کے زیں شرب کم کن بہر خویش　　آج اس دولت کا پانی کم کرو
تا کہ حوضِ کوثرے یابی بہ پیش　　تا کہ کل تم حوض کوثر پا سکو

جرعہ بر خاک وفا آں کس کہ ریخت　　جس نے اک قطرہ بھی دنیا میں دیا
کے تواند صید دولت زاں گریخت　　کیوں نہ پائے دولت عقبیٰ بھلا

۴

خوش کند دل شاں کہ اصلح بالُھم　　ہوں گی ان پر رحمتیں بے انتہا
رَد مِنْ بَعْدِ النوٰی انزالُھم　　بخششوں کا پائیں گے بیحد صلہ

۱ جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں واپس لے لیتا ہے تو دنیا کے تمام رشتے اور آسائشیں یوں مٹ جاتی ہیں کہ ان کی یاد بھی باقی نہیں رہتی تاہم شکر گزاروں کیلئے یہ انعامات برقرار رہتے ہیں۔ ۲ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ اقرضوا اللہ قرضا حسنہ یعنی اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بڑا صلہ دے گا مدعا یہ کہ اس کی راہ میں خرچ کرو وہ تمہیں کئی گنا لوٹائے گا۔ ۳ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی دی ہوئی دولت خرچ کرو تا کہ کل موت کے بعد بہشت کے ثمرات پا سکو۔ ۴ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایات سے خوش کریگا جنہوں نے اس کی خوشنودی کیلئے اپنی دولت خرچ کی اس کے بدلے میں انہیں کئی گنا صلہ ملیگا۔

اے اجل اے ترکِ غارت سازِ دہ   حق کہے گا اے اجل اے ظلم خُو
ہر چہ بردی زیں شکوراں بازدہ   شاکروں سے جو لیا واپس کرو

وا دہد ایشاں نہ پذیرند ہاں   وہ نہ لیں گے ان سے ہیں اب بے نیاز
زانکہ منعم گشتہ انداز رحتِ جاں   پا چکے ہیں اخروی دولت کا راز

۲

صوفئیم و خرقہا انداختیم   ہم ہیں صوفی اب قبا سے کیا غرض
باز نستانیم چوں در باختیم   چھوڑ دی جو اس ادا سے کیا غرض

۳

ماعوض دیدیم دانکہ چوں عوض   جو صلہ پایا نہ پوچھو اس کا راز
رفت از ما حاجتِ حرص و غرض   ہر صلے سے کر دیا ہے بے نیاز

۴

ز آب شور مہلکے بیروں شدیم   مل گئی بحرِ ہلاکت سے نجات
بر رحیق و چشمۂ کوثر زدیم   بادہ کوثر ہے وجہ انبساط

آنچہ کردی اے جہاں با دیگراں   اہلِ دنیا سے کہا دنیا نے کیا
بیوفائی و فن و نازِگراں   بے رخی اور بیوفائی کے سوا

۱ اللہ تعالیٰ اجل کو حکم دے گا کہ تو نے شکر گزاروں سے جو نعمتیں چھینی ہیں واپس کر دو لیکن اہلِ شکر دنیاوی نعمتوں کو قبول نہ کریں گے اس لئے کہ انہیں اخروی اور روحانی نعمتیں حاصل ہو چکی ہیں۔

۲ وہ کہیں گے ہم صوفی ہیں اب ہم گدڑی لٹا چکے ہیں اب ہم ترک کردہ زندگی واپس نہیں لیں گے یعنی دنیاوی آسائشوں کی ضرورت نہیں وہ تو عارضی ہیں۔

۳ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شکر گزاری اور قناعت کا جو صلہ دیا ہے اس نے ہمیں ہر طرح کے صلے کی ہوس سے بے نیاز کر دیا ہے۔

۴ اب دنیاوی چیزوں سے جو زحمت اور ہلاکت کا باعث ہیں نجات پائی ہے اور روحانی تسکین ملی ہے جو آبِ کوثر کی سی کیفیت رکھتی ہے۔

۱

بر سرت ریزیم ما بہر خدا　　کیوں نہ لوٹا دیں تجھے ساماں ترا
کہ شہیدیم آمدہ اندر غزا　　ہم شہیدان رہ رب العلیٰ

تابدانی کہ خدائے پاک را　　تا کہ تو یہ جان لے بہر خدا
بندگاں ہستند پُر عزم و مرا　　ایسے بند ہیں کہ ہو جائیں فدا

مہلتِ نزویرِ دنیا بَر کنند　　شوکت دنیا کو ٹھکراتے ہیں وہ
خیمہ را بر باروئے نصرت زنند　　لطف حق سے نصرتیں پاتے ہیں وہ

۲

ایں شہیداں باز نو غازی شدند　　راہ حق میں جو بھی ہوتا ہے فنا
ویں اسیراں باز بر نصرت زوند　　پھر سے زندہ ہو کے پاتا ہے بقا

۳

قفل مشکلہا ز لطفش حل شدہ　　اس کی ہر مشکل کا ساماں ہو گیا
نفس کافر ناگہاں بسمل شدہ　　نفس کافر بھی مسلماں ہو گیا

۴

نا امیدی رفتہ امید آمدہ　　نا امیدی بن گئی امید نو
گشت مسجد ناگہاں ایں تبکدہ　　پھیلی بتخانے میں بھی مسجد کی ضو

۱　ہم راہِ خدا کے شہید فاتح اور مطمئن میں پھر اے دنیا کیوں نہ تیری عارضی چیزیں تجھے لوٹا دیں۔
۲　ایسے لوگ فنا ہو کر بھی زندہ ہوتے ہیں اور بقا کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں۔
۳　ان کی تمام مشکلات ناپید ہوجاتی ہیں اور وہ نفس جو انہیں دنیا میں گمراہی کی طرف لے جاتا تھا فنا ہوجاتا ہے۔
۴　وہ دنیا میں جس مایوسی اور کشمکش کا شکار تھے وہ ختم ہو گئی اور ان کا دل ہمیشہ کیلئے منور ہو گیا۔

۱

سر بر آوردند باز از نیستی　　کیا عجب ہو کر فنا پائی بقا
که به بیں مارا که اکمه نیستی　　غور کر گر ہے حقیقت آشنا

۲

نابدانی در عدم خورشید ہاست　　ہیں عدم میں جانے کیا کیا آفتاب
وانچه اینجا آفتاب آنجا سہاست　　مثل انجم واں ہمارا آفتاب

۳

در عدم ہستی برادر چوں بُوَد　　کیسے ممکن ہے عدم میں ہو وجود
ضدّ اندر ضد چوں مکنوں بُوَد　　کیسے ہو پوشیدہ نابودی میں بود

۴

یُخرِجِ الحَیّ مِنَ المَیّتْ بداں　　پیدا بے جاں سے کیا ہے جاندار
که عدم آمد امیدِ عابداں　　عابدوں کو ہے عدم کا انتظار

۵

مرد کارنده که انبارش تہی ست　　جس نے سب کچھ بو دیا وہ کاشتکار
شادوخوش نے بَر امید نیستی ست　　پھر عدم سے کیوں نہ ہو امیدوار

۶

که بروید آں زسوئے نیستی　　نیسی سے ہونگی پیدا ہستیاں
فہم کن گرواقفِ معنیستی　　غور کر اس پر اگر ہے نکتہ داں

۱ اللہ کے شکرگزار بندے اس دنیا سے رخصت ہوکر عالم بقا میں دائمی زندگی پاتے ہیں اگر غور کیا جائے تو فنا ان کیلئے بقا کا راستہ ہوتا ہے۔
۲ عالم غیب میں ایسے سورج ہیں کہ اس دنیا کا سورج ان کے سامنے ستارہ کی سی حیثیت رکھتا ہے یعنی عالم بقا میں ہر چیز دنیا سے بہتر اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ۳ ہستی اور نیستی دو متضاد کیفیتیں ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ عدم میں ہستی او روجود ہے اس لئے کہ ہستی کیلئے نیست ہونا لازمی ہے جبکہ عدم میں بقا ہی بقا ہے فنا نہیں۔ ۴ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی (ال عمران آیت ۲۷) (میں بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہوں اور جاندار سے بے جان) نطفہ بے جان ہوتا ہے لیکن اس سے جاندار پیدا ہوتا ہے اسی طرح ایک بے جان قطرہ سے انسان وجود میں آتا ہے یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور عابد اسی لئے عالم بقا کے منتظر ہوتے ہیں کہ وہاں فنا نہیں۔
۵ جس نے ساری زندگی اعمال صالح کئے وہ عالم بقا کا منتظر کیوں نہ ہو۔ ۶ انسان نیست ہوکر یعنی مٹ کر ہی پھر دائمی وجود پاتا ہے۔

۱

نیست دستوری کشاد ایں راز را   گر میں افشا کر سکوں اس راز کو
ورنہ بغدادے کنم انجاز را   کر سکوں بغداد سا انجاز کو

۲

پس خزانہ صنع حق باشد عدم   حق کی صنعت کا خزانہ ہے عدم
کہ بر آرد زو عطا ہا دمبدم   واں سے کرتا ہے عطائیں دمبدم

۳

مبدع آمد حق و مبدع آں بُود   وہ ہے خالق ہاں وہی خالق تو ہے
کہ بر آرد فرع بے اصل و سَنَد   جان جو بے جان سے پیدا کرے

۱ مولانا فرماتے ہیں مجھے یہ راز افشا کرنے کا حکم نہیں ورنہ میں ازبکستان کے شہر انجاز کو جہاں کا بادشاہ اور عوام بد اعمالیوں میں گرفتار تھے بغداد جو علم و حکمت کا مرکز ہے اس جیسا بنا دیتا یعنی اس راز کے مضمرات سے آگاہ کر کے انجاز کے لوگوں کو راہ راست پر لاتا۔

۲ اللہ تعالیٰ عالم بقا سے عالم فنا میں لوگوں کو نعمتیں عطا کرتا ہے تا کہ اس کی شکر گزاری کریں اور عالم بقا میں اس کے رحم و کرم کے مستحق بنیں۔

۳ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق ہے اور وہی سب کی زندگی اور موت پر قادر ہے۔ لہٰذا اسی کی شکر گزاری اور فرمانبرداری کرنی چاہیے۔